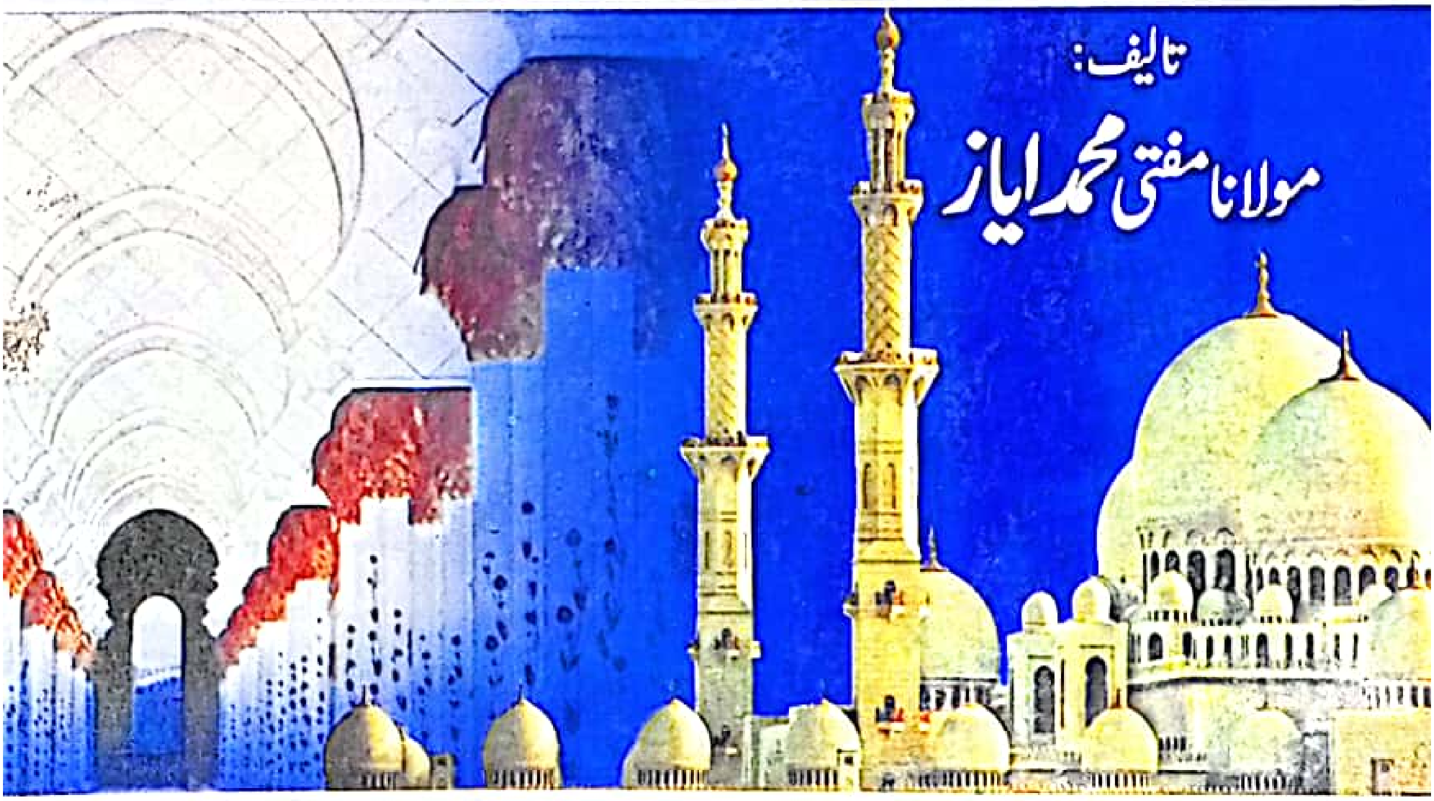
دعوت واقامت دین کیلئے



# نظم جماعت
## اور
# تربیت ارکان

## کیا، کیوں، کیسے؟



تالیف:
مولانا مفتی محمد ایاز

اشاعت اکیڈمی
عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی پشاور
091-2580325 / 2590315

# عظیم الشان خوشخبری

## ★ اب مکتبہ اشاعت آپ کے جیب میں ★

دنیا میں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

## انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاون لوڈ کریں

نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

### نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاََ تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاََ فوقتاََ Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ وتفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

**WhatsApp:0320-1914145**

ویب سائیٹ **maktabatulishaat.com** (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

دعوت دین اور اقامت دین

# تربیت ارکان

## کیا، کیوں اور کیسے؟

تالیف

مولانا مفتی محمد ایاز صاحب

اشاعت اکیڈمی عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی قصہ خوانی پشاور
091-2590315 / 2580325

# فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## پہلی بات

آج اس کرہ ارض پر مسلمانوں کی تعداد سوا ارب سے تجاوز کر چکی ہے۔ یعنی دنیا کی کل آبادی کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اسلام، اپنے پیروؤں کی تعداد کے اعتبار سے، عیسائیت کے بعد دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ دنیا کے کم از کم پچاس ممالک ایسے ہیں، جن کی اکثریت مسلمان ہے، اس کے علاوہ ایشیا، افریقہ، یہاں تک کہ یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا میں بھی مسلمان کل آبادی کا ایک اہم عنصر ہیں۔ لیکن افرادی اور مادی قوت کی اس کثرت کے باوجود مسلمان دنیا کی ایک بے حد مظلوم قوم ہیں، جن کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے اور جنہیں دنیا کی طاقتور قومیں اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنا رہی ہیں اور ان کا استیصال کر رہی ہیں۔

اس پر آشوب دور میں جب ہم قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، تو ہمیں واضح الفاظ میں یہ ہدایت ملتی ہے کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: ۱۰۴)

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پانے والے ہیں"

دوسرے الفاظ میں جب امت مسلمہ بحیثیت مجموعی اس اہم ترین فریضہ سے کنارہ کش ہو جائے جس نے اسے "خیر الامم" (دنیا کی بہترین قوم) بنایا تھا۔ تو پھر ان لوگوں کے لیے جو اللہ پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور ایک مثالی اسلامی زندگی گزارنا چاہتے ہیں ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ خود مسلمانوں میں سے ایک ایسی جماعت، تنظیم اٹھے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اس فریضہ کو انجام دے جو بحیثیت مجموعی پوری امت کو انجام دینا تھا۔

کسی بھی جماعت کے قیام واستحکام میں اس کے نصب العین اور مقاصد کے بعد سب سے اہم عنصر اس کا "نظم" ہوتا ہے۔یہی وہ سیمنٹ ہے، جس سے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار (بنیان مرصوص) کھڑی ہوتی ہے، جس کے قائم کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔اسلام میں "نظم" کا کیا تصور ہے؟ دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں ایک اسلامی تنظیم "نظم" کے تصور کو کس طرح اپناتی ہے؟ اسے مستحکم بنانے کے کیا طریقے اختیار کرتی ہے؟ اپنے کارکنان کو اس "نظم" میں فعال رکھنے کے لئے کن محرکات کو ابھارتی ہے اور کیسی تربیت دیتی ہے، اس کا قائد یا ناظم کن خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، مثالی انداز میں یہ "نظم" مقامی طور پر کس طرح کام کرتا ہے، اور اہم ترین سرگرمیوں (مثلاً اجتماعات، پروگرام، دروس، تربیتی کلاسز) کو منظم کرنے میں کن اصول وقواعد کو پیش نظر رکھتا ہے۔یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دینے کی ایک کوشش زیر نظر کتاب میں کی گئی ہے۔

اسلامی تحریک کی کامیابی دو باتوں پر منحصر ہے۔ایک مضبوط نظم اور ٹھوس منصوبہ بندی اور دوسرے کارکنوں کی اعلیٰ فکری اور اخلاقی تربیت۔یہ دونوں باتیں مل کر اسلامی تحریک کو ایک ایسی نا قابل تسخیر قوت بنا دیتی ہے کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی اسے پشت بمنزل نہیں کر سکتا۔اول الذکر بات کی مثال اس ستھری مشینری کی ہے جو اپنی پوری طاقت کو بروئے کار لا کر اعلیٰ سے اعلیٰ مصنوعات تیار کر کے ناظرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔اور ثانی الذکر بات کی مثال برقی رو کی ہے جس کی بل بوتے پر مشینری اپنے یہ تمام معجزات دکھاتی ہے۔

ہمارے سامنے عالم اسلام کی اسلامی تحریکوں کی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جہاں ایک طرف اعلیٰ تربیت نے تحریک کو کڑی سے کڑی ازمائش سے سرخ رو کر کے نکالا تو وہاں دوسری طرف نقص تربیت یا عدم تربیت کی وجہ سے تحریک سالوں پیچھے رہ گئی یا ختم ہو گئی۔

ہمارے نزدیک نظم وضبط کا یہ فقدان ہی مسلمانوں کا ایک بڑا المیہ ہے۔آج بھی الحمد اللہ مسلمانوں کی ایک غالب اکثریت اپنے دین سے والہانہ لگاؤ رکھتی ہے اور اس کے ناموس پر اپنی

جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے تیار ہے۔ متعدد دینی جماعتیں بھی مسلمانوں میں سرگرم عمل ہیں۔ لیکن جس بات کی کمی ہر جگہ محسوس ہوتی ہے، وہ ہے نظم کے ساتھ کام کو بہتر طور پر کرنے کا سلیقہ۔

ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک مستحکم ومربوط نظم اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک اس کے کارکنوں کی تعلیم وتربیت کے لئے موثر، مفید، پائیدار اور نادر و دلچسپ طریقے نہ اختیار کئے جائیں۔

تعلیم وتربیت کا مقصد محض علم میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ جیسا کہ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: وَالتَّعْلِيْمُ بِمَا يُسْتَعْمَلُ فِيْ مَعْنَى الْإِعْلَامِ یعنی تعلیم کے معنی میں ''اعلام'' بھی شامل ہے۔ اور اعلام کی اصطلاح جتلانے، بتلانے، اور آگاہ کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس لئے تعلیم کے وسیع تر معنی میں مندرجہ ذیل خصوصیات وتصورات بھی شامل ہیں:

''ترتیب، تادیب، تفہیم، تلقین، تہذیب، آراستگی، تدریب وتربیت''

اسی طرح شرح العقیدۃ الطحاویہ میں تربیت کی اصطلاح کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کسی چیز کو بتدریج نشونما دیکر اس کی انتہائے بلوغت اور کمال تک پہنچانا''۔

الغرض تعلیم وتربیت کا یہ ہمہ گیر کام اس امر کا متقاضی ہے کہ اس کے حصول کے لئے لگے بندھے طریقہ کار کی بجائے موثر سے موثر ترین، دلچسپ اور نادر ذرائع وضع کئے جائیں۔

ہمیں یہ دعویٰ قطعاً نہیں کہ اس موضوع پر یہ کوئی سیر حاصل کتاب ہے، ہمارے نزدیک اس عنوان سے ابھی اور بھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے اور بہت کچھ لکھ چکا ہے لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ کتاب انشاء اللہ اسلامی نظم کے بنیادی پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور اس کے چند اہم طریقوں پر روشنی ڈالنے میں مفید ثابت ہوگی۔ اور یہ کتاب ان تمام تحریروں کا مختصراً آسان الفاظ میں ایک قسم مجموعہ ثابت ہوگی۔ اس کتاب کی تیاری کے لیے مندرجہ ذیل تحریکی، تنظیمی اور تربیتی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ رہنمائے تربیت [ڈاکٹر ہشام الطالب، امریکہ]

☆ شاہراہ زندگی پر کامیابی کا سفر [محمد بشیر جمعہ]

☆ اسلامی نظم اور اس کے لوازمات

[ڈاکٹر سید حسین الدین احمد، ڈاکٹر شجاعت علی برنی، ڈاکٹر فرحت علی برنی]

☆ تحریک اور کارکن [خلیل احمد حامدی]

تحریک کے تقاضے، مؤثر تنظیم، دعوت عام کی بنیادیں [انجینئر خرم مراد]

☆ راہنما کتابچہ برائے اجتماعات [امت الرقیب]

اس کے ساتھ ساتھ بندہ نے اپنے تنظیم و تحریک کے ارکان کا وقتاً فوقتاً تربیت کے کلاسز میں پڑھائے گئے مضامین اور کی گئی تربیت پر مشتمل مواد بھی اس کتاب میں شامل کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سعی کو اپنی رضا کے لیے قبول فرما کر اسلامی تحریک کے کارکنوں کے لیے مفید بنائیں اور ما عتق ساتھیوں کو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆......☆......☆

# احساس کی عدالت

انسان کی زندگی میں ایسے لمحات کم ہی آتے ہیں جب انسان خود اپنی عدالت قائم کرے، خود ہی ملزم ہو، اپنے ہی خلاف مقدمہ دائر کرے، خود ہی اس کے مختلف پہلوؤں پر صفائی پیش کرے، خود ہی جج ہو اور خود ہی کو مجرم بھی ثابت کرے اور بعض اوقات خود کو بری بھی کر دے۔ یہ عدالت، احساس کی عدالت ہے۔

انسان بہت کم اس عدالت میں آتا ہے، کیونکہ اس کے لیے عزم و ہمت چاہیے اور تنہائی کے لمحات چاہئیں۔ یہ وہ عدالت ہے جہاں انسان اپنے ارادوں کا جائزہ لیتا ہے، حقائق کو سمجھتا ہے، ماضی کا احتساب کرتا ہے، حال پر توجہ دیتا ہے اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ یہ عدالت بعض واقعات کے ردعمل کے طور پر اور بعض اوقات اچانک جذباتی کیفیت میں قائم ہو جاتی ہے، اس کے لیے کسی کورٹ کی عمارت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس عدالت کے ذریعے انسان کو سزا یا جزا کے طور پر جو چیز ملتی ہے اسی کا نام کامیابی ہے۔ یعنی، احتساب ایک ایسا عمل ہے جس کے بعد ہر صورت میں انسان کو کامیابی ملتی ہے۔

یہ عدالت روزانہ رات کو سونے سے قبل بستر پر لیٹنے کے بعد بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے چند لمحات درکار ہیں۔ اس کے بعد ہر آنیوالی صبح اپنے ساتھ چوبیس گھنٹے پر مشتمل دن رات لاتی ہے جو آپ کے لیے عمل کی ایک شاہراہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ اس شاہراہ پر اپنے مقاصد اور منزل کو سامنے رکھتے ہوئے سفر کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔

یہ صبح ہر غریب، امیر، چھوٹے، بڑے، مرد، عورت، ہر ایک کو ملتی ہے۔ اسی انداز سے ہر زندہ شخص کو رات کے لمحات بھی ملتے ہیں۔ گویا عزم کی صبح اور احتساب کی رات ہر فرد کو ملتی ہے۔ دن اور رات میں انسان کو ایک ہزار چار سو چالیس منٹ ملتے ہیں۔ بس یہی وہ دولت اور وسائل کی مقدار ہے جو ہر زندہ شخص کو بلاتفریق ملتی ہے۔

اس مضمون کے ذریعہ انسان کو اس بات کا احساس دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وقت کو بہتر طور پر

استعمال کرلیا جائے تو دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی مل سکتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ سوتے کو جگانا آسان ہے، جاگتے کو جگانا مشکل ہے۔ ہمیں پاکستانی عوام اور ملت اسلامیہ کا حال بھی معلوم ہے۔ یہ سب جاگ رہے ہیں مگر بستر سے اٹھ نہیں رہے۔ انہیں جگانا مشکل کام ہے، بستر سے نکالنا مشکل کام ہے، اس مضمون کے ذریعے، ایک دوست کی حیثیت سے انہیں جگانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بستر سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کتاب اور مضمون ہر اس انسان کے لیے لکھی گئی ہے جو کامیابی کا دروازہ کھلوا سکتا ہو، ہمیں یقین ہے کہ جو شخص یہ ہمت رکھتا ہے وہ کامیابی کے حصول کے لیے کوشش بھی کرسکتا ہے اور کامیابی کی منزل کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ہمت پیدا کر کے اس در میں داخل بھی ہوسکتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے عزم و ہمت، کوشش اور منزل کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس مضمون اور کتاب کا مقصد اور موضوع انسان اور اس کی کامیابی ہے، ترقی اور بلندی ہے اور یہی انسان کے لیے مطلوب ہے۔

آیئے، آج ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ کل دو اور پرسوں چار۔ بس ایک مہینے تک، اس رفتار کے ساتھ، پھر دیکھیے، کتنے قدم ہو گئے۔ انسان کا کام کوشش کرنا ہے۔ ایک کا ہندسہ لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے آگے بے شمار صفر، لگاتے رہتے ہیں۔ بس اس ایک کوشش کی ضرورت ہے۔ عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔ ایک عربی مقولہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور کوشش بھی کرتا ہے وہ داخل ہو ہی جاتا ہے۔ اللہ اس کوشش میں کامیابی عطا فرمائے۔

☆......☆......☆

## وقت ہی زندگی ہے

وقت زندگی ہے۔ اسے بہتر طور پر استعمال کر کے ہم کامیاب ہو سکتے ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ ہم وقت کی اہمیت کو سمجھیں۔

☆ وقت ضائع کرنے والے عناصر کا جائزہ لیں۔

☆ وقت کو بہتر طور پر استعمال کرنے کے لیے حکمت عملی تیار کریں اور

☆ اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔

### وقت کی اہمیت اور قدر و قیمت:

وقت ایک بے مثال ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ یہ فوری ضائع ہونے والی ایسی چیز ہے جسے نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ ہی، اسے کسی طریقے سے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ برف کی طرح ہے کہ اگر آپ استعمال نہ کریں اور باہر رہنے دیں تو پگھل جائے گی، وقت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ اسے آپ پیشگی استعمال نہیں کر سکتے اور نہ ہی پیشگی ضائع کر سکتے ہیں۔ اسے آپ ضائع کر دیں گے تو تسلسل وقت کے باعث اگلے لمحات آجائیں گے۔ بہر حال آپ گزرے ہوئے لمحات کو پکڑ نہیں سکتے۔ آپ دو اوقات کے درمیان کوئی رکاوٹ پیدا کر کے فاصلہ بھی پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ تسلسل کے ساتھ آرہا ہے اور تسلسل کے ساتھ جا رہا ہے۔ جس انداز سے سورج اور چاند کو اپنے امور سے اور زمین کو اپنی گردش سے نہیں روکا جا سکتا، اسی طرح سے وقت کو اپنے تسلسل سے نہیں روکا جا سکتا۔ جو وقت گزر جاتا ہے وہ گزرا وقت کہلاتا ہے اور اس کے بارے میں افسوس کے لیے بیٹھ جانا بھی وقت ضائع کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ جو وقت آیا نہیں ہے اس کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے اور منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے مگر اسے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

جو وقت قابل استعمال ہے، وہ یہی ہے جو آپ اس وقت گزار رہے ہیں۔ گھڑی کی جانب دیکھیے، کس تیزی کے ساتھ لمحے گزر رہے ہیں اور ہماری مقررہ زندگی کم ہو رہی ہے۔

وقت کو نہ تو خریدا جا سکتا ہے اور نہ ہی فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اسے نہ تو کرایہ پر لے سکتے ہیں اور نہ ہی کرائے پر دے سکتے ہیں، اور نہ ہی مقررہ وقت (زندگی) سے زیادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وقت ہر انسان کی اپنی متاع ہے، ہر انسان جو صبح اٹھتا ہے، چاہے وہ غریب ہو یا امیر، چھوٹا ہو یا بڑا، اسے چوبیس گھنٹے کی از خود خرچ ہونے والی تھیلی سونپ دی جاتی ہے۔ ہر زندہ انسان ہی چوبیس گھنٹے کی تھیلی جو اسے دوسرے انسانوں کے مساوی ملی ہے، اپنے بہترین مفاد میں استعمال کر سکتا ہے اور اسے ضائع کر سکتا ہے اور اپنے آپ کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔ اس معاملے میں انسان کو اپنے مفاد کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔

وقت کی طلب زیادہ ہے۔ اس کی رسد غیر لچکدار ہے۔ اس رسد کو طلب کے مطابق نہیں لایا جا سکتا۔ طلب اور رسد کے بازار میں اس وقت کی کوئی قیمت بھی نہیں ہے۔ البتہ اس کی اہمیت ہر انسان کے لیے مقصد زندگی کے ساتھ ساتھ ہے۔

ہر چیز کے لیے وقت کی ضرورت ہے۔ ہر کام کسی نہ کسی وقت پر ہوتا ہے، ہر کام اور ہر سرگرمی کے لیے وقت کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے پاس وقت کو بہتر استعمال کرنے کے وسائل بھی کم ہیں، اسے ہمیشہ قلت وقت کی شکایت رہتی ہے۔ وہ بہت سارے کام فرصت کے اوقات میں کرنا چاہتا ہے، مگر یہ زندگی ہے کہ اس میں اسے فرصت کا کوئی لمحہ میسر نہیں آتا۔ اس نے دنیا میں اپنے آپ کو اس قدر الجھا لیا ہے کہ اب اسے فرصت تو صرف قبر ہی میں ملے گی۔ لیکن وہ قبر کے معاملات پر غور ہی نہیں کرتا۔

اگر انسان اپنی زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھے اور ہر لمحہ جواب دہی کے احساس کے ساتھ گزارے تو بہت سارے کام اس احساس کے باعث قوت عمل پیدا ہونے کی وجہ سے پورے ہو جائیں گے۔

وقت کو دولت اور سونا کہنا بھی وقت کی ناقدری ہے۔ دولت اور وقت دونوں حضرت انسان کے لیے نعمتیں ہیں۔ دولت ظاہری چیز ہے، یہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ملتی ہے لیکن زندگی میں چوبیس گھنٹے ہر انسان کو مساوی ملتے ہیں۔

ہر انسان کے پاس جو زندگی ہے، وہ آج کی زندگی ہے۔ آج کل ہم نے دفتر اور کاروبار کے

اوقات کو ہی اصل زندگی سمجھ رکھا ہے۔ زندگی اس سے کافی زیادہ ہے جو دفتر سے باہر گزرتی ہے۔ ہم میز، کرسیوں، فائلوں، نوٹس، خلاصوں، رپورٹوں، نفع، سیٹھ، افسر اور صاحب کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔

ہماری مصروفیات محض انہیں خوش رکھنے کی حد تک رہ گئی ہیں۔ ہم نے ان کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت کو تباہ کرنے کا راستہ اپنایا ہوا ہے۔ ہمیں وقت کے بارے میں احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

## قرآن حکیم:

سورہ عصر، جس میں زمانے کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بڑے خسارے میں ہیں سوائے ان کے جو ان چار خصوصیات کے حامل ہیں:

۱۔ ایمان لانے والے۔

۲۔ نیک اعمال کرنے والے۔

۳۔ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنے والے۔

۴۔ صبر کی تلقین کرنے والے۔

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں" عصر (زمانہ) وہ ظرف ہے جس کے اندر حیرت انگیز واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے اندر انسان سب کچھ کرتا ہے اور تنگی و ترشی، سختی و نرمی، تنگ دستی، فاقہ مستی اس پر گزرتی ہے لہذا عمر انسانی کے اوقات بہت قیمتی ہیں"۔

امام رازیؒ کا قول ہے کہ میں نے سورہ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آوازیں لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر، جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا، یہ ہے **والعصر ان الانسان لفی خسر** کا مطلب۔ عمر کی جو مدت انسانوں کو دی گئی ہے، وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔ اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کر ڈالا جائے تو انسان کا خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اس حوالے سے شیخ ابوالفتاح ابوغدہؒ نے فرمایا، خسران اور محرومی ان لوگوں کے لیے ہے، جنہوں نے وقت کی قدر نہ کی اور ساری فرصت عمر برباد کردی۔ عمر انسانی کے لمحات دیکھتے ہی دیکھتے گزر جاتے ہیں اور انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ فرقان میں ہے [اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں] جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ (آیت ۷۲)

احادیث نبوی ﷺ

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے لوگ کما حقہ فائدہ نہیں اٹھاتے اور وہ صحت اور فرصت وقت ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے دونوں قدم اس کے رب کے پاس سے نہیں ہٹیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق دریافت نہ کرلیا جائے۔

اول: اس نے اپنی عمر کہاں صرف کی۔

دوسرے: اپنی جوانی کس کام میں خرچ کی۔

تیسرے: اس نے مال کہاں سے کمایا۔

چوتھے: کس کام میں لگایا۔

پانچویں: اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین:

حضرت ابوبکر صدیقؓ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمیں کہیں اندھیرے میں نہ رہنے دے، ہماری کج فہمیوں پر ہمیں نہ پکڑ اور ہمیں وقت سے بے پروائی والا نہ بنا۔

حضرت عمر فاروقؓ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ صَلَاحَ السَّاعَاتِ وَبَرَکَۃَ لَہٗ.

الاَوَقَاتِ .

ترجمہ: اے اللہ میرے لیے اوقات میں برکت فرما اور انہیں صحیح مصرف میں لانے کی توفیق دے۔

## بزرگوں کے اقوال:

ایک بزرگ کا قول ہے: حضرت انسان! یہ تو بتاؤ، زندگی اس وقت کے علاوہ کس چیز کا نام ہے، جسے تم اپنی پیدائش سے وفات تک کام میں لاتے ہو۔ سونا ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن اسے دوبارہ بھی حاصل کر سکتے ہو بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ بھی پا سکتے ہو جتنا تم سے کھو گیا تھا، مگر جو زمانہ گزر جاتا ہے یا وقت بیت جاتا ہے، تم اسے لوٹا سکتے ہو، نہ دوبارہ حاصل کر سکتے ہو۔ اس لیے وقت سونے، زر و جواہر اور ہیرے موتیوں، سب سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ وہ زندگی کا دوسرا نام ہے۔ کامیابی کے لیے صرف باریک بینی سے کی گئی منصوبہ بندی اور موافق حالات ہی درکار نہیں بلکہ اس کے لیے وقت کی مناسب منصوبہ بندی بھی ضروری ہے۔ دانشمند لوگ، وقت سے پہلے یا بعد میں دی جانے والی رائے سے بھی گریز کرتے ہیں اور اس بات کی توفیق مانگتے ہیں کہ ہر کام اپنے صحیح وقت پر سرانجام پائے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں الوقتُ سیفٌ قاطعٌ ۔ وقت تلوار کی طرح ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ زمانہ سیال ہے اسے کسی آن سکون نہیں۔ خدا ڈراتا ہے کہ تم کہیں رہو، موت تمہیں نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ ہر کام کا ایک وقت ہے مگر انسان موت کا وقت نہیں جانتا۔ وقت سے ہوشیار رہو، وقت کی خبر رکھو، وقت کو برباد نہ کرو۔ وقت کو غیر مفید باتوں میں صرف نہ کرو۔ گھڑی گھڑی، لحظہ لحظہ کا تمہیں حساب دینا پڑے گا۔

حکما و دانش مند بھی نصیحت کرتے ہیں کہ وقت کی قدر کرو، اسے ضائع نہ ہونے دو۔ تاریخ میں ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا میں جس قدر کامران و کامیاب ہستیاں گزری ہیں، ان کی کامیابی و ناموری کا راز صرف یہ تھا کہ وہ وقت کی قدر کرتے تھے اور اس کا صحیح استعمال کرتے تھے۔

ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ جس نے وقت کا حق پہچان لیا، اس نے زندگی کی حقیقت پالی کیونکہ

وقت ہی زندگی کا دوسرا نام ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ وقت اور احتساب کے بارے میں فرماتے تھے کہ تم ہر لمحے یہ دیکھتے رہو کہ اللہ سے کتنے قریب ہوئے، شیطان سے کتنے دور ہوئے، جنت سے کتنے قریب ہوئے اور دوزخ سے کتنے دور ہوئے۔

وقت کی قدر و قیمت کرنے والے:

## اسلاف کے چند واقعات

۱۔ عامر بن قیس ایک زاہد تابعی تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا آؤ بیٹھ کر باتیں کریں۔ انہوں نے جواب دیا تو پھر سورج کو بھی ٹھہرا لو۔ یعنی زمانہ تو ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور گزرا ہوا زمانہ واپس نہیں آتا ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے کام سے غرض رکھنی چاہیے اور بے کار باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

۲۔ شیخ محمد بن سلام البکیندی، امام بخاریؒ کے شیوخ میں سے تھے۔ ایک دفعہ ان کا قلم ٹوٹ گیا تو انہوں نے صدا لگائی کہ مجھ کو نیا قلم ایک دینار میں کون دیتا ہے۔ لوگوں نے ان پر نئے قلموں کی بارش کر دی۔ یہ ان کی دریا دلی کا حال تھا کہ وہ ایک قلم کو ایک دینار [اس دور کی خطیر رقم] کے بدلے خرید لیتے تا کہ لکھتے لکھتے ان کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو اور ان کے خیالات کا تسلسل جاری رہے۔

۳۔ تاریخ بغداد کے مصنف خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ، جاحظ کتاب فروشوں کی دکانیں کرایہ پر لے کر ساری رات کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔

۴۔ فتح بن خاقان خلیفہ عباسی المتوکل کے وزیر تھے۔ وہ اپنی آستین میں کوئی نہ کوئی کتاب رکھتے تھے اور جب انہیں سرکاری کاموں سے ذرا فرصت ملتی تو آستین سے کتاب نکال کر پڑھنے لگ جاتے۔

۵۔ اسماعیل بن اسحاق القاضی کے گھر جب بھی کوئی جاتا تو انہیں پڑھنے میں مصروف پاتا۔

۶۔ ابن رشد اپنی شعوری زندگی میں صرف دو راتوں کو مطالعہ نہیں کر سکے۔

۷۔ امام ابن جریر طبری ہر روز چودہ ورقے لکھ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک لمحہ بھی

فائدے اور استفادے کے بغیر نہیں گزارا۔

۸۔ سارٹن نے تاریخ العلوم میں البیرونی کو دنیا کے بہت بڑے عالموں میں شمار کیا ہے۔ اس کے شوق علم کا یہ حال تھا کہ حالت مرض میں مرنے سے چند منٹ پیشتر، ایک فقیہی سے جو ان کے مزاج پرسی کے لیے آیا ہوا تھا علم الفرائض کا ایک مسئلہ پوچھ رہے تھے۔

۹۔ امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جو امام فقہ، مشہور متکلم امام غزالیؒ کے استاد تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں سونے اور کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھ کو دن اور رات میں جب بھی نیند آتی ہے، سو جاتا ہوں اور جس وقت بھوک لگتی ہے کھانا کھالیتا ہوں۔ ان کا اوڑھنا، بچھونا، پڑھنا اور پڑھانا تھا۔

۱۰۔ علامہ ابن جوزی کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے، وہ اپنی عمر کا ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتے تھے وہ قلم کے تراشے سنبھال کر رکھ چھوڑتے تھے چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان تراشوں سے پانی گرم کر کے ان کو غسل دیا گیا۔ ابن جوزی اپنے روزنامچہ "الخاطر" میں ان لوگوں پر کف افسوس ملتے ہوئے نظر آتے ہیں جو کھیل،، تماشے میں لگے رہتے ہیں۔ ادھر ادھر بلا مقصد گھومتے رہتے ہیں، بازاروں میں بیٹھ کر آنے جانے والوں کو گھورتے ہیں اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر رائے زنی کرتے رہتے ہیں۔

۱۱۔ امام فخر الدین رازی کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک سو سے کم نہ ہو گی۔ صرف تفسیر کبیر تیس جلدوں میں ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ کھانے پینے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے، میں ہمیشہ اس پر افسوس کرتا رہتا ہوں۔

۱۲۔ علامہ شہاب الدین محمود آلوسیؒ مفسر قرآن نے اپنی رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پہلے حصے میں آرام و استراحت فرماتے تھے، دوسرے میں اللہ کو یاد کرتے تھے اور تیسرے میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے۔

## تضیع اوقات کی وجوہات اور صورتیں:

ہمارے ہاں تضیع اوقات کی وجوہات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ذاتی ونفسیاتی۔

۲۔ معاشرتی نظام سے مجبوراور۔

۳۔ تصوراتی۔

ذیل میں اشارات کی صورت میں ہم تضیع اوقات کی صورتیں تحریر کر رہے ہیں۔

☆ ہر کام خود کرنے اور ہر چیز کا تجربہ کرنے کا مزاج تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے، کسی سے کچھ سیکھنا چاہیے اور دوسروں کے تجربات سے مدد لینی چاہیے۔

☆ مقبول بننے کا نا قابل عمل شوق بھی تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے۔ جو کام کر سکتے ہیں، اسی کا وعدہ کرنا چاہیے ورنہ معذرت کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ لوگ اکملیت اور کمال کے شوقین ہوتے ہیں۔ اور اسی شوق میں وہ کوئی کام مکمل نہیں کر سکتے۔ انسان کو زندگی کے لیے جو اگلا لمحہ ملا ہے وہ بھی تو اس بات کی علامت ہے کہ اس کی زندگی کا مشن ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچا، پھر ہم اپنے کاموں کو اکملیت کے شوق میں کیوں ادھورا چھوڑ دیں۔

☆ اپنی مرضی بغیر صلاحیت اور بغیر سمجھ کے، کام کرنے سے بھی وقت ضائع ہوتا ہے۔

☆ طبیعت میں سستی، ٹال مٹول اور موخر کرنے کی عادت، تضیع اوقات کا بہت بڑا سبب ہے۔ پھر کبھی والا مزاج بھی وقت ضائع کرتا ہے۔

☆ کل کریں گے یہ ایک دھوکا ہے، اس بارے میں ایک بزرگ نے کہا کہ داناؤں کے رجسٹروں میں کبھی کل کا لفظ نہیں ملتا البتہ بے وقوفوں کی جنتریوں میں یہ کثرت سے ملتا ہے۔ عقلندی اس لفظ کو قبول نہیں کرتی، یہ خیالی پلاؤ پکانے والوں کا سہارا ہے۔ کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی عمر کل کا تعاقب کرتے ہوئے کھودی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھود لی ہے۔ ہم اس

دھوکے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے کہ کل ہمارے لیے اچھی اچھی نعمتیں اور فائدہ منداشیاء لائے گا مگر اس کل کا ابھی تک انتظار ہے۔

☆ تضیع اوقات کا ایک اور سبب کاموں کو ادھورا چھوڑتا ہے۔ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ کن حالات میں اور کتنے وقت میں اس کام کو کرنا چاہیے، اس لحاظ سے وہ پروگرام بنائے۔ ایک وقت میں ایک کام کو مکمل طور پر کرنا، کئی نامکمل کاموں کا خون کردینے سے بہتر ہے۔

☆ اپنی ذات میں تنظیم کی کمی، اپنے جذبات پر کنٹرول کی کمی اور گرد و پیش اور ماحول کو سمجھنے کی صلاحیت کی کمی بھی تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے۔

☆ ہر ملنے والا فرد دوست نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر فرد کو اس کے اطمینان کی حد تک وقت دینا درست ہے۔

☆ گھروں اور دفتروں کے درمیان میلوں اور گھنٹوں کے فاصلے انسان کے وقت کو بہت ضائع کرتے ہیں۔

☆ ہمارے ہاں کی دعوتیں بھی عموماً چار سے پانچ گھنٹے لے لیتی ہیں۔

☆ دفاتر میں تقسیم کار کی کمی اور افراد کو ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں علم نہ ہونے کے باعث وقت خاصا ضائع ہوتا ہے، اختیارات اور ذمہ داریوں کی تقسیم نہ ہوتا اور مناسب کنٹرول کی کمی، اداروں میں سیاست کا باعث ہوتی ہے اور یہ رفتہ رفتہ پورے ادارے کی کارکردگی کو تباہ کر دیتی ہے۔

☆ سفارشی افراد کام چلانے کے لیے اور اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہوتے ہیں، جس سے اداروں کا بہت سارا وقت ضائع ہوتا ہے۔

☆ ہمارے سرکاری دفاتر میں طریقہ کار کی پیچیدگیاں، سرکاری افراد کو گپ شپ لگانے اور اجتماعی چائے پینے کے بہت سے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ سرکاری اہلکاروں کے یومیہ لاکھوں گھنٹے غیر پیداواری کاموں میں صرف ہوجاتے ہیں اور نتیجتاً عوام ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے چلے جاتے ہیں۔

☆ کرکٹ کا کھیل بھی قوم کے لاکھوں گھنٹے ضائع کرتا ہے۔

☆ ایڈہاک ازم[ کام چلاؤ] اور بحران پیدا کرنے کا مزاج بھی اہل افراد کے لیے تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے۔

☆ فیصلہ کرنے کی صلاحیت کی کمی اور ذمہ داری قبول کرنے کے حوصلہ کی کمی بھی بہت سے کاموں کو ٹال دیتی ہے۔

☆ ضرورت سے زیادہ کاغذی کارروائی اور فائلیں بھی قوم کی ترقی کے آگے بند باندھ دیتی ہیں۔

☆ حاضر اور کارکردگی کے شعور کی کمی بھی معاملات کو الجھا دیتی ہے۔

☆ افراد کی تربیت نہ کرنا اور انہیں اگلے کاموں کے لیے تیار نہ کرنا بھی اداروں کے اجتماعی اوقات کو ضائع کرتا ہے۔

☆ ٹیلی فون کا غیر ضروری استعمال یا ضروری استعمال جس میں غیر ضروری باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ دوستوں، احباب اور گھر والوں کے فون اور ان کی فرمائش اور پھر بحث، یہ تمام تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہیں۔

☆ اگر ہم اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی نہیں کرتے اور محض دفتر کی حاضری کے لیے کام کرتے ہیں تو ہم اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکیں گے۔

وقت کے بارے میں عدم شعور کی علامتیں:

کسی بھی شخص میں درج ذیل علامتوں میں سے ایک یا ایک سے زائد پائی جائیں تو اس کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ وقت کے استعمال کا صحیح شعور نہیں رکھتا، اسے اپنا جائزہ لینا ہوگا تا کہ آئندہ وہ بہتر طور پر آگے آ سکے:

☆ کبھی بھی اہم امور کو نمٹانے کا وقت نہ ملنا۔

☆ فوری اور ہنگامی نوعیت کے امور پر زیادہ وقت صرف کر دینا اور یہ محسوس کرانا کہ ہماری وجہ سے یہ کام ہو سکا۔

☆ دفتر میں دیر تک بیٹھے رہنا، حالانکہ وقت پر جا سکتے ہیں۔

☆ کاغذی کاروائی اور کاغذات کے معاملات میں وقت گزارنا، ٹال ٹول کرنا، اور تحریر کرنے کے لیے مناسب وقت اور موڈ کا انتظار کرنا۔

☆ دوسروں کے کام کرتے رہنا، اس میں خوشی محسوس کرنا اور اپنے کاموں کے لیے بہانے تلاش کرتے رہنا۔

☆ اس بات کا احساس کہ ہم جزو ولا ینفک ہیں اور ہمارے بغیر ادارہ نہیں چل سکتا۔

☆ غیر ضروری میٹنگوں اور کانفرنسوں اور غیر ضروری گپ شپ اور مجالس میں بہت زیادہ شرکت کرنا اور اپنے آپ کو تعلقات عامہ کا ماہر سمجھنا۔

☆ معذرت کرنے میں مشکل پیش آنا، حالانکہ معذرت کی جا سکتی ہو۔

☆ دوسروں کو اس بات کا موقع دینا کہ وہ آپ کو وقت سے بہتر استعمال کے لیے نصیحت کرتے رہیں۔

☆ عموماً زیر دباؤ رہنا، پریشان رہنا اور وقت کی کمی کا رونا روتے رہنا۔

☆ صحیح وقت پر کام ختم نہ کرنا۔

دفتر اور کاروباری وقت کا ضیاع بھی خیانت ہے:

سعودی عرب کی ایک مسجد میں خطبہ جمعہ کے دوران الشیخ زہرانی نے فرمایا:

''آج میں آپ سے کام کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ وہ تمام کام جو ہم ملازمت کی صورت میں کرتے ہیں اگر ہم مسلم امہ کی طرف نظر دوڑائیں تو ہمیں ایک بڑا فاصلہ نظر آتا ہے، کام کی اس نوعیت میں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اور جو حقیقتاً ہم اپنے دفاتر میں انجام دے رہے ہیں''۔

بعض حضرات کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ وقت پر دفتر آتے ہیں اور وقت پر گھر لوٹ جاتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ اس بات کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ یہ دیکھیں کہ ان دفتری اوقات میں ان کی کارکردگی کیسی رہی۔ کیا وہ زیادہ سے زیادہ پیداواری صلاحیت بروئے کار لائے یا انہوں نے وقت کا ایک

حصہ گپ شپ، غیر متعلق کاموں اور دیگر فضول مشاغل میں ضائع کر دیا۔ یہ ایک طرح کی خیانت ہے۔ یہ خیانت ہم سب کسی نہ کسی انداز میں کر رہے ہیں۔ اس کے احساس اور تدارک کی ضرورت ہے۔

وقت کو بہتر طور پر استعمال کرنے کے لیے چند تجاویز:

عربی مقولہ ہے من قرع باب الج ولج جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور کوشش بھی کرتا ہے، وہ داخل ہو ہی جاتا ہے۔ آپ بھی وقت کے بہتر استعمال کے ذریعہ کامیاب زندگی کے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیجئے۔ چند تجاویز پر عمل کے ذریعے دروازہ کھولنے کی کوشش بھی کیجئے۔ شان کریمی، آپ کی اس کوشش کے نتیجے سے نکلنے والے پسینے کے قطروں کو موتی بنا دے گی۔

☆ وقت کی اہمیت کو سمجھئے، فوری طور پر وہ فہرست تیار کیجئے جہاں آپ کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ ذرا سوچیے اور اپنے کرنے کے کاموں کو تحریر کیجئے، جو کام آپ کے کرنے کے نہیں ہیں مگر آپ کر رہے ہیں، ان کی بھی فہرست بنایئے، جو کام دوسرے کر سکتے ہیں وہ بھی آپ خود کر رہے ہیں حالانکہ وہ دوسروں کے سپرد کیے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ اپنے غیر تکمیل شدہ کاموں کی فہرست تیار کیجئے۔ مگر اس سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ میں اپنی زندگی کے نصیب العین کا شعور ہو۔ آپ کے پاس اس کی قلیل المیعاد [کم مدت کی] اور طویل المیعاد [زیادہ مدت کی] منصوبہ بندی ہو، اس صورت میں آپ کے وقت کی افادیت زیادہ ہوگی۔ اس کے علاوہ نفسیاتی طور پر موثر بننے کی کوشش کیجئے۔ حاضری اور کارکردگی کے فرق کو سمجھیے اور اسی کے مطابق اپنی استعداد بڑھایئے۔ کم وقت میں بہتر طریقے استعمال کر کے زیادہ اور موثر کام کرنے کی کوشش کیجئے۔ یقین جانیے، وقت کا بہتر استعمال، نصب العین کا شعور، محنت، استقلال، مستعدی اور احتساب وہ عناصر ہیں جو آپ کو چند روز میں شاہراہ کامیابی پر لے آئیں گے۔

☆ نصب العین اور مقصد زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے یومیہ کاموں کی فہرست بنایئے۔ ان کی ترجیحات تحریر کیجئے، انہیں بہتر طور پر کرنے کے لیے وقت اور فاصلے کا ربط پیش نظر رکھیے۔ ہر کام کا ہدف [ٹارگٹ] مقرر کیجئے اور اس کو پا لینے کے لیے آخری تاریخ [ڈیڈ لائن] بھی طے کر لیجئے۔

دن میں مختلف وقفوں کے ساتھ اس فہرست کا جائزہ لیتے رہیے، جہاں ضروری ہو وہاں ترمیم، تبدیلی کیجئے۔

☆ اپنے بہترین وقت کا پتہ لگائیے جب آپ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، بسا اوقات میں انتہائی اہم کاموں کو کرنے کی کوشش کیجئے۔

☆ اہم اور فوری کاموں میں فرق کو سمجھئے، اہم کام زیادہ توجہ طلب رہتے ہیں فوری کام رہنمائی کے بعد دوسروں کے سپرد کئے جاسکتے ہیں۔

☆ ہر کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی عادت ڈالئے، اس کے لیے آپ کو اپنے کاموں کی فہرست مختصر کرنی پڑے گی اور کئی کام دوسروں کو سونپنے پڑیں گے۔

☆ آمد و رفت اور انتظار کے وقت کو بہتر طور پر استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کیجئے۔

☆ ٹیلی فون کا بہتر استعمال سمجھنے کی کوشش کیجئے السلام علیکم میں خیریت اور دعائیں شامل ہیں مزید حال اور واقعات کے لیے ٹیلی فون کو استعمال نہ کیجئے۔

☆ افراد سے ملاقاتوں کے لیے اوقات طے کر لیجئے۔ عموماً مخصوص اوقات ملاقاتوں کے لیے دیجئے۔ آپ کو بھی ان اوقات کا علم اور ملاقاتیوں کو بھی احساس ہو، کھانے کی دعوتوں پر غیر ضروری گفتگو ہوتی ہے اور کارآمد گفتگو کم، اس کی افادیت کو پیش نظر رکھیے۔

☆ وقت کی پابندی کیجئے۔

☆ دفتر کے اوقات اگر صبح ۹ تا ۵ ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ آپ ۹ بجے کام شروع اور ۵ بجے ختم کریں۔ لوگ ان اوقات کو پہنچنے اور روانہ ہونے کے اوقات سمجھتے ہیں۔

## وقت کے استعمال کے سلسلے میں چند مزید تجاویز

عبادات، معاملات، سیاست، تعلقات، خوراک اور مستقبل کی تیاری کے لیے تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں اعتدال ضروری ہے۔ بہتر منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیجئے۔

☆ پوری لگن کے ساتھ کام کیجئے۔ کام کے دوران وقفہ بھی کیجئے۔

☆ دوپہر کے کھانے کے بعد چند لمحوں کے لیے آرام کیجئے۔

☆ لوگوں سے مسکرا کر بات کیجئے، لوگوں کی باتوں کو بہت سنجیدگی کے ساتھ مت لیجئے۔

☆ ہر کام کو اپنے ذہن پر سوار نہ کیجئے۔

اپنے فارغ اوقات کو بہتر طور پر استعمال کیجئے۔ مطالعہ کتب، اخبارات ورسائل، تعلیم بالغان، دینی تعلیم، محلے کے مسائل، مسجد، دعوت وتبلیغ، کھیل کود اور تربیت ذات کی طرف بھی توجہ دیجئے۔

☆......☆......☆

# دینی اور تحریکی زندگی

دنیا میں زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں:

ایک بے مقصد زندگی جیسے حیوانات کی زندگی ہوتی ہے، ہمارا مقصد تو ان سے پورا ہوتا ہے لیکن ان کا اپنی زندگی کا کوئی مقصد نہیں، نہ زندگی گزارنے کا کوئی ضابطہ اور قانون، نہ رہن سہن کا کوئی طریقہ نہ ڈھنگ۔

اور دوسری بامقصد زندگی ہوتی ہے جیسے انسانی زندگی، جس کا مقصد متعین ہے۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ'' یعنی جو لوگ اس طرح زندگی گزارتے ہیں کہ اس میں آخرت کی تیاری ہو تو یہ بامقصد زندگی ہے اور جس انسان کے زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو تو وہ حقیقت میں حیوان ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُم اَضَلُّ وَ اُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ'' (انعام)

یعنی جن لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو اور جس کی زندگی میں آخرت کی تیاری نہ ہو تو وہ چوپائیوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

پھر مقصد کے مطابق زندگی گزارنے والے انسان دو قسم پر ہیں۔

ایک وہ جس نے اپنی سوچ، عقل، مادہ پرستی کی بنیاد پر اپنے لیے زندگی کا مقصد متعین کیا ہو۔

اور دوسرا وہ جس نے اپنی زندگی کا مقصد وحی کے ذریعے اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے مقصد زندگی کو اپنایا ہو۔

موازنہ:

اپنی سوچ اور عقل پر اپنی لیے مقصد متعین کرنا درست نہیں کیونکہ انسانی ذہن و عقل محدود، صرف وہ دیکھتا ہے جو نظر آئے، وہ سنتا ہے جو سنے، سوچتا ہے تو محدود، علم و معلومات بھی کم، ماضی کا علم کم حتیٰ کہ اسے اپنی ماں کا دودھ پلانا بھی یاد نہیں۔ آئندہ کا علم بھی نہیں رکھتا، کل کا یقینی خبر بھی نہیں۔ جب ماضی

کے حال احوال سے بے خبر ہے تو آئندہ کے بارے میں محض محدود عقل کی بنیاد پر چلنا قرینہ قیاس نہیں۔ محض عقل کی بنیاد پر بھی بات درست نہیں ہوتی کیونکہ وحی کے نور کے بغیر محض عقل گمراہ ہے۔

اب محض اس محدود ذہن سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راستہ مرتب کرنا صحیح نہیں بلکہ محض عقل پر اپنے لیے راستے کا تعین اکثر گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو ہمارے خالق و مالک نے ہمارے لیے تجویز اور متعین فرمایا ہے۔ کیونکہ انسان کا خیر وشر، فائدہ ونقصان کامیابی و ناکامی، خالق کائنات ہی بہتر جانتا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے۔

فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعدَكُم وَ حُكمُ مَا بَينَكُمْ .[مشكوٰة]

اس دین وشریعت اور اللہ کی کتاب میں تم سے پہلی امتوں کا تذکرہ، تمہارے بعد آنے والے لوگوں اور آئندہ کے حالات کا خبر اور تمہارے مابین معاملات کا فیصلہ موجود ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

وَ رَضِيتُ لَكُمُ الِاسلاَمَ دِينًا. میں نے تمہارے لیے اسلام زندگی گزارنے کا قانون بنا کر پسند کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقصد حیات وہی اصل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے خود متعین کر کے تجویز فرمایا ہے۔

## دینی زندگی کیوں ضروری ہے:

دنیا کے تمام چیزیں، کائنات، زمین آسمان، سمندر، پہاڑ سب انسان کے لیے، انسان کی خدمت کے لیے ہیں۔ یہ تمام انسانیت کے خادم ہیں اور انسان اس کا مخدوم، انسان اشرف المخلوقات۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَقَد كَرَّمْنَا بَنِىْ آدَمَ یعنی ہم نے ہی انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور کبھی فرماتے ہیں کہ: وَ فَضَّلْنٰهُ عَلٰى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفضِيلًا یعنی ہم نے بنی نوع انسان کو ڈھیر

سارے لوگوں پر فضیلت دی ہوئی ہے۔

جبکہ دنیا اور تمام کائنات انسان کے فائدے کے لیے پیدا ہوئے ہیں: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَا فِي الأَرضِ جَمِيعًا یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین میں سب کچھ پیدا فرمایا ہے۔

اب ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کائنات انسان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تو انسان کس لیے۔

کیا انسان کی زندگی عبث ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَفَحَسِبتُم اَنَّمَا خَلَقنَاكُم عَبَثاً وَ اَنَّكُم اِلَينَا لَا تُرجَعُونَ.

"آیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے تم کو بے کار اور بے مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے؟

اسی طرح فرماتے ہیں: اَيَحسَبُ الاِنسَانُ اَن يُترَكَ سُدًا. کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ اس کو ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

آیا انسان کو صرف دنیا میں کھانے پینے، اولاد جننے وغیرہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ کام تو پہلے سے حیوانات اچھی طریقے سے ادا کرتے رہے ہیں۔

## انسانی زندگی کا مقصد:

انسان کے مقصد حیات کو متعین کرنے کے لیے اگر قرآن کو دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَ الاِنسَ اِلَّا لِيَعبُدُونَ. یعنی ہم نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

اَلَّذِى خَلَقَ المَوتَ وَالحَيَاتَ لِيَبلُوَكُم اَيُّكُم اَحسَنُ عَمَلًا. اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو انسان کے امتحان کے لیے پیدا فرمایا ہے تا کہ دیکھے کہ کون اچھا عمل کرتا ہے۔

اسی طرح تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :

فَاِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِنِّى هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلاَ خوفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ

یعنی اگر میرے طرف سے تم لوگوں کو ہدایت پہنچ جائے تو جس نے میرے ہدایت کی تابعداری کی تو ان پر کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

اب اگر تینوں مقاصد میں غور کیا جائے تو وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَ الِانْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ سے مراد صحیح عقیدہ اور توحید ہے۔

اور " احسن عملا " سے مراد نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور سنت ہے۔

اور ھدیٰ سے مراد کتاب اور قانون شریعت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے انسان کی زندگی کے ان تینوں مقاصد کو ایک روایت میں جمع کیے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ دعا صبح وشام پڑھنے کی تاکید کی ہے کہ:

"رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالِاسْلاَمِ دِينًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًا".

یعنی میں اللہ تعالیٰ سے بطور رب راضی ہوں اور اسلام پر بطور دین راضی ہوں اور محمد ﷺ پر بطور نبی راضی ہوں۔ اس دعا میں بھی باللہ سے مراد عقیدہ توحید، بالاسلام دینا سے مراد زندگی گزارنے کا قانون اور بمحمد نبیا سے آپ ﷺ کی سنت کا اتباع ہے۔

قبر میں بھی ان تینوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ:

" مَن رَبُّکَ وَ مَن نَبِيُکَ وَمَادِينُکَ "

یعنی تمہارا رب کون ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ اور تمہارا دین کون سا ہے ؟۔

تو ان باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے زندگی کا مقصد یہی تین باتیں ہیں۔ یعنی عقیدۂ توحید، عمل بالسنّت اور قانون شریعت۔ جبکہ کبھی کبھی ان تینوں مقاصد کو عبادت ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک شاعر فرماتے ہیں کہ:

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

ایک دوسرے شاعر کہتے ہیں:

چند روزہ زندگی یہ یاد رکھ　　تو برائے بندگی یہ یاد رکھ

ورنہ پھر شرمندگی یہ یاد رکھ

## عبادت کا مطلب:

عبادت کا لفظ بہت جامع لفظ ہے۔ اس میں دین کے سارے احکامات آجاتے ہیں۔ عبادت کا مادہ عبد سے ہے اور اسکا معنی خادم اور نوکر ہے یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کو اپنا آقا سمجھے اور اس کی وفاداری اپنا فرض سمجھے۔

اس ہی طرح اپنے آقا کے ہر حکم کو ماننے اور ایسا کام نہ کرے جو کہ آقا کے منشاء اور رضا کے خلاف ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتو یہ عبادت قبول نہیں ہوگی۔

نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ "اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ" یعنی برائیوں سے بچنا انسان کو عبدیت میں داخل کرتا ہے۔ اسی طرح آقا کو آقا ماننا اور اس کی تعظیم کرنا بھی عبادت ہے۔

تو عبادت کا لفظ اپنے اندر کتنا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ حالانکہ ہم عبادت صرف دو رکعت نفل کو کہتے ہیں یا ایسے انسان کو عبادت گزار کہتے ہیں جو کہ پانچ وقت نماز پڑھتا ہو اگر چہ باقی ضروریات دین میں کمزوری دکھاتا ہو حالانکہ پوری زندگی میں پوری بندگی لانے کو عبادت کہتے ہیں۔ اگر پوری زندگی میں بندگی نہ ہو تو اس کو عبادت نہیں کہتے اور نہ یہ نجات کے لیے کافی ہے۔

## عبادت کا وسیع مفہوم:

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت دراصل بندگی کو کہتے ہیں اور جب آپ خدا کے بندے ہی پیدا ہوئے ہیں تو آپ کسی وقت کسی حال میں بھی اس بندگی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ جس طرح آپ یہ

نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنے گھنٹے یا اتنے منٹوں کے لیے خدا کا بندہ ہوں اور باقی وقت میں اس کا بندہ نہیں ،اسی طرح آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنا وقت خدا کی عبادت میں نہ صرف کروں گا اور باقی اوقات میں مجھے آزادی ہے کہ جو چاہوں کروں۔آپ تو خدا کے پیدائشی غلام ہیں اس نے آپ کو بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔لہذا آپ کو بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔لہذا آپ کی ساری زندگی اس کی عبادت میں صرف ہونی چاہیے اور کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو اس کی عبادت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

یہ بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ عبادت کے معنی دنیا کے کام کاج سے الگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانے اور اللہ اللہ کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ دراصل عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں خدا کے قانون کے مطابق کریں۔آپ کا سونا اور جاگنا، آپ کا کھانا اور پینا، آپ کا چلنا اور پھرنا غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔

آپ جب اپنے گھر میں بیوی بچوں، بھائی بہنوں اور عزیز رشتہ داروں کے پاس ہوں تو ان کے ساتھ اس طرح پیش آئیں جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔جب اپنے دوستوں میں ہنسیں اور بولیں اس وقت بھی آپ کو خیال رہے کہ ہم خدا کی بندگی سے آزاد نہیں ہیں۔جب آپ روزی کمانے کے لیے نکلیں اور لوگوں سے لین دین کریں اس وقت بھی ایک ایک بات اور ایک ایک کام میں خدا کے احکام کا خیال رکھیں اور کبھی اس حد سے نہ بڑھیں جو خدا نے مقرر کر دی ہے۔

جب آپ رات کے اندھیرے میں ہوں اور کوئی گناہ اس طرح کر سکتے ہوں کہ دنیا میں کوئی آپ کو دیکھنے والا نہ ہو، اس وقت بھی آپ کو یاد رہے کہ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے اور ڈرنے کے لائق وہ ہے نہ کہ دنیا کے لوگ جب آپ جنگل میں تنہا جا رہے ہوں اور وہاں کوئی جرم اس طرح کر سکتے ہوں کہ کسی پولیس مین اور کسی گواہ کا کھٹکا نہ ہو اس وقت بھی آپ خدا کو یاد کر کے ڈر جائیں اور جرم سے باز رہیں جب آپ جھوٹ اور بے ایمانی اور ظلم سے بہت سا فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور کوئی آپ کو روکنے والا نہ ہو، اس وقت بھی آپ خدا سے ڈریں اور اس فائدے کو اس لیے چھوڑ دیں کہ خدا اس سے ناراض ہو

گا۔ اور جب سچائی اور ایمانداری میں سراسر آپ کو نقصان پہنچ رہا ہو اس وقت بھی آپ نقصان اٹھا قبول کرلیں، صرف اس لیے کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور صرف تسبیح ہلانا عبادت نہیں ہے، بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے۔ ذکر الٰہی کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ زبان پر اللہ اللہ جاری ہو، بلکہ اصل ذکر الٰہی یہ ہے کہ دنیا کے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں پھنس کر بھی تمہیں ہر وقت خدا یاد رہے۔ جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں ان میں مشغول ہو اور پھر خدا سے غافل نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں خدائی قانون کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فائدوں کے لالچ اور نقصان کا خوف لیے ہوئے آتے ہیں وہاں خدا کو یاد کرو اور اس کے قانون کی پیروی پر قائم رہو۔ یہ ہے اصلی یاد خدا۔ اس کا نام ہے ذکر الٰہی۔

[خطبات]

الغرض اس صحیح اور حقیقی مقصد حیات کے مقابلے میں جو لوگ محض عقل کی بنیاد پر اپنا مقصد متعین کرے گا تو ایسا انسان ناکام ہوگا اور کفر و الحاد کے تاریکیوں میں چلا جائے گا۔ اور جتنی بھی معاشرتی برائیاں ہیں وہ اس سے پھیلیں گے۔

یہ تو دینی زندگی کا مفہوم تھا۔ اب تحریکی اور اجتماعی زندگی کیا ہے؟ اور کیوں ضروری ہے؟

☆......☆......☆

# تحریکی زندگی

ایک دیندار مسلمان کے لیے پھر تحریکی زندگی گزارنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ اور رسول کی طرف، قرآن وسنت اور شریعت کی طرف سے ہمیں جو مشن اور کام سپرد کیا گیا ہے وہ صرف خود دیندار اور تابعدار بننا نہیں بلکہ یہ اسلام کا دیگر مذاہب پر فوقیت اور اس دین کی خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے ماننے والوں پر جس طرح اپنی اصلاح فرض کی ہے اس طرح دوسروں کا اصلاح کا کام بھی ان کو سپرد کر دیا گیا ہے۔ یہ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کہ یہ اپنے ماننے والوں کو اپنی انفرادی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ اجتماعی ذمہ داری کا احساس بھی دلاتا ہے۔ کیونکہ اگر صرف اپنی اصلاح اور انفرادی ذمہ دار پوری کرنا منظور تھی تو پھر اللہ تعالیٰ اس امت کو پیدا ہی نہیں کرتے۔

کیونکہ اس امت سے پہلے نصاریٰ، اپنی فکر اور انفرادی ذمہ داری پوری کرنے میں بہت آگے تھے۔ اسی لیے دنیا کو ترک کیا، بیوی بچوں کو چھوڑا، صحراؤں اور جنگلوں میں چلے گئے، رہبانیت اختیار کی، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو اپنے مقام سے ہٹا کر ان کی جگہ اس امت کو لا کھڑا کر دیا۔ اصل وجہ یہی ہے کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی فکر بھی مطلوب ہے اس لیے اس امت کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ"

یعنی تم بہترین امت ہو، تمہیں لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم لوگوں کو اچھی بات کی ترغیب دو گے اور بری کاموں سے روکو گے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھو گے۔

اس امت کو جو امتیاز ملی ہے وہ اس وجہ سے کہ ان کو لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اسی

طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ

مفسرین فرماتے ہیں کہ اتقو اللّٰہ سے انفرادی زندگی کی اصلاح مراد ہے اور کونو مع الصّٰدقین سے مراد ایسی تحریک برپا کرنا یا ایسی کسی اجتماعی جماعت میں شامل ہونا ہے کہ جس سے لوگوں کی اصلاح ہو سکے۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

"اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

کہ اے اللہ کے پیغمبر ﷺ کس کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لِلّٰہِ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَلِکِتَابِہٖ، وَ لِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِھِمْ.

یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب اور مسلمانوں کے حکمرانوں اور عام لوگوں کے لیے خیر خواہی۔

اور اس حدیث لِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِھِمْ میں اجتماعی اور تحریکی زندگی اور لوگوں کی اصلاح کی طرف اشارہ ہے۔

## تحریکی مزاج:

ایک مسلمان کے لیے تحریکی مزاج ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ہماری شریعت کا مزاج بھی اجتماعی اور تحریکی ہے۔ اس لیے نماز، حج، روزہ کو اجتماعی طور پر تمام مسلمانوں پر ایک ہی وقت میں لازم کیا گیا ہے۔ اس کا ایک فائدہ اجتماعیت اور تحریکی زندگی اپنانے کی طرف اشارہ ہے۔

اگر ایک مسلمان اپنی ذاتی حد تک ایک فلسفہ زندگی اور مقصد حیات رکھتا ہو یعنی اگر وہ اپنی ذات

کے حد تک سوچتا ہو اور وہ اس نیکی اور خیر اور بہترین مقصد حیات، فلسفہ زندگی کو دنیا میں پھیلائے، دوسروں کو اپنا ہم خیال بنائے، اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کا کوئی جذبہ نہ رکھتا ہو تو گویا یہ غیر تحریکی مزاج ہے۔ جبکہ اسلامی اور تحریکی مزاج اس کے برعکس ہے وہ یہ کہ جس چیز کو وہ حق سمجھتا ہے، دنیا کو بھی اس حق کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہو، دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتا ہو۔

جب کوئی شخص عملاً یہ کام شروع کرتا ہے اور اس میدان میں کھودتا ہے تو اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کے اندر تحریکی سیرت اور مزاج پیدا ہو گیا ہے۔ اسلام کا بھی اور ہمارا بھی آپ سے یہی مطالبہ ہے کہ آپ تحریکی مزاج اور تنظیمی فکر، اجتماعی سوچ والے مسلمان اور دین کے سپاہی بن جائے۔

نظم جماعت، اہمیت اور ضرورت:

حقیقت میں ہر قسم دعوت اور مشن کے لیے تنظیم ضروری ہے خواہ وہ مشن اور دعوت و تحریک اسلامی ہو یا غیر اسلامی۔ بغیر تنظیم کے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جس طرح انسان چلنے کے لیے پیر کا اور کام کرنے کے لیے ہاتھ کا جس قدر محتاج ہے، اس سے زیادہ دعوت تحریک اور مشن کے کامیابی کے لیے تنظیم کی ضرورت اور احتیاج ہے۔ پوری تاریخ میں کسی ایسے انقلاب کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی جو غیر منظم اور منتشر افراد کی کوششوں سے آیا ہو۔

دنیا میں غلط اور صحیح ہر طرح کے نظریات اٹھتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات غلط نظریات والے لوگ اپنی تنظیم کی وجہ سے دنیا کے اعتبار سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کے نظریات دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرح کبھی کبھی ایک صالح لوگ اور صحیح نظریات والے اٹھتے ہیں لیکن عدم نظم کی وجہ سے دنیا کی اعتبار سے ان کے نظریات عام نہیں ہوتے یا اگر عام بھی ہو جائے تو وہ تحریک مضبوط تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی آواز فضا میں تحلیل ہو کر رہ جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ پانی کی ایک بوند سے سیلاب نہیں آتا اگر چہ وہ بہت بڑا اور زوردار بوند کیوں نہ ہو۔ لیکن جب ایک ایک بوند جمع ہو کر دریا کی شکل اختیار کرتا ہے تو پھر وہ زمین کا سینہ چیرتا اور

جنگلوں کو کاٹتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ انسان تنہا نہیں پایا جاتا بلکہ وہ ایک مدنی الطبع ہستی ہے۔ وہ کسی کا بیٹا یا باپ، بیٹی یا ماں ہے۔ وہ کسی خاندان کے فرد، کسی قبیلے کے رکن، کسی شہر کے شہری اور کسی ملک کے باشندے کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے پروان چڑھنے کے لیے وہ ان سب باتوں کا محتاج ہے۔

یہ ایک بدیہی بات ہے کہ بہت سے لوگوں کے علیحدہ علیحدہ کام کرنے اور ان سب کے مل کر اجتماعی طور پر کام کرنے میں نتائج کے اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق واقع ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کے اندر بہت سے کاموں کی صلاحیت نہیں بلکہ وہ ایک دو یا زیادہ سے زیادہ چند کام کر سکتا ہے۔ پھر وہ جو بھی کام کرے گا وہ اتنے بڑے پیمانے پر نہیں کر سکتا کہ اس سلسلے میں دعوت کی تمام ضرورتیں اور تقاضے پورے ہو جائیں۔ لیکن ایک اچھی جماعت سے یہ سب کچھ ممکن ہے۔

اسی طرح فرد کی صلاحیتیں گو بہت محدود ہیں لیکن انہی افراد سے ایک ایسی تنظیم ابھر سکتی ہے جو مخالف نظریات کو اکھاڑ پھینکے اور فکر و نظر کی ایک نئی دنیا آباد کر سکتا ہے۔ تنظیم کے پاس ہر طرح کی صلاحیت کے لوگ ہوتے ہیں جس کام کے لیے جن صلاحیتوں کے انسان کی ضرورت ہے وہ ان ہی صلاحیتوں کے انسان کو اس مشن پر لگا سکتی ہے۔ اس میں یہ بھی اس کے لیے ممکن ہے کہ جس محاذ پر ایک شخص ناکافی ہے وہاں وہ دس اشخاص کو بھیج دے۔ تنظیم اور اجتماعیت مختلف افراد کو جمع کر کے ایک ایسا مجموعہ بناتی ہے جس کے ذریعے وہ کام کیا جا سکتا ہے جو ہر فرد الگ الگ نہیں کر سکتا۔ نیز تنظیم اس کے اندر اتنی قوت پیدا کرتی ہے جو صرف افراد کے مجموعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اسے ہم ایک معروف مثال کے ذریعے سمجھانا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ تنظیم اور جماعت ایک جمع ایک کر کے صرف دو نہیں بناتی بلکہ ایک اور ایک، گیارہ بناتی ہے۔ جماعت اور نظم صرف صلاحیتوں کو جمع نہیں کر دیتا بلکہ ان کو ضرب کرتی ہے، ان کے اندر کئی گناہ زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ یہ وہ کام ہیں جو ایک منظم جماعت

کرتی ہے۔اس ضمن میں یہ بات بھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ جماعت میں کوئی فرد بھی بے کار نہیں۔ ہرایک فرد کام کا ہےاوراپنی اپنی جگہ فٹ اور ضروری ہے۔ چاہے کم سے کم صلاحیتوں والا کیوں نہ ہو۔ عمارت بنانے کے لیے اینٹوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی اینٹ عمارت کی اکائی ہے۔ جب تک یہ اینٹ ایک خاص ترتیب اور نظم کے بغیر صرف ایک ڈھیر کی شکل میں ہوتو اس میں وہ مضبوطی نہیں ہوتی جو دیوار میں ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں وہ خوبصورتی پائی جاتی ہے جو ایک عمارت میں ہمیں نظر آتی ہے۔ لیکن جب معماران اینٹوں کو ایک خاص ترتیب اور نظم کے ساتھ رکھ لگاتا ہے تو اس سے ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے اور انہی دیواروں کے نظم سے ایک خوبصورت اور مضبوط عمارت وجود میں آتی ہے۔ اس عمارت اور دیوار کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کے لیے سہارا ہوتی ہے۔ اگر ان اینٹوں میں کوئی اینٹ زیادہ معیاری نہ ہو، کمزور ہو وہ بھی دوسری اینٹوں کے سہارے سے دیوار میں مضبوط لگ جاتی ہے۔ اور کم ازکم اس خالی جگہ کو تو پر کردیتی ہے۔ یہ تعمیر کرتے ہوئے آپ نے معمار کو دیکھا ہوگا کہ دیوار میں اینٹ لگاتے لگاتے کبھی ایساموقع بھی آجاتا ہے کہ وہاں پوری اینٹ کی جگہ نہیں ہوتی، آدھی اینٹ کی ضرورت پڑجاتی ہے جس کو ڈھونڈ کر اس جگہ لگادیا جاتا ہے، اگر کہیں آدھی اینٹ نہ ملے تو معمار پوری اینٹ کو توڑ کر اسی آدھی اینٹ کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ جس سے دیوار مکمل ہو جاتی ہے۔اسی طرح جماعت میں کسی کم صلاحیتوں والے ساتھی یارکن کو بھی بے کار نہ سمجھا جائے کیونکہ کہیں نہ کہیں تو وہ بھی کام آجاتا ہے۔لہٰذا اسے بھی ضائع نہ کیا جائے اور نہ اسے حقیر سمجھے۔

اجتماعیت اور تنظیم میں ہر فرد ایک دوسرے کا سہارا اور ایک دوسرے کی کمی پورا کرنے والا ہوتا ہے۔جس سے کام میں عظیم برکت پیدا ہوتی ہے۔جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ. [مشکوٰۃ] اللہ کا ہاتھ [امداد] جماعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف لوگوں کو مختلف صلاحیتیں دی ہیں۔کسی کو بولنے کی صلاحیت دی ہے، کسی کو لکھنے کی صلاحیت دی ہے، کسی کو بھاگ دوڑ کی قوت، کسی کو غور و فکر اور تدبر و تفکر کی، تو کسی کو جسمانی طاقت اور کسی کو مالی وسعت

سے نوازا ہے۔اسی طرح کسی کو علوم دینیہ اور کسی کو دنیاوی تعلیم و معلومات سے بہرہ ور فرمایا ہے، کسی کو فہم قرآن کے بحر عمیق میں غوطے لگانے کی صلاحیت دی ہے تو کسی کو علوم حدیث کے وسعتوں میں پیرا کی کی صلاحیت سے نوازا ہے۔ کسی کو کم واقفیت عطا فرمائی ہے تو کسی کو زیادہ اور جدید معلومات سے روشناس کیا ہے۔ مختلف صلاحیتوں اور قوتوں سے مسلح اور منظم افراد کے مجتمع اور متحد ہو کر کام کرنے سے ہی اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ کوئی جامع اور ہمہ گیر نوعیت کا کام سرانجام پا سکے گا۔

دین و مذہب کے مخالف اور لادینیت، کفر و شرک کے علمبرداروں کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوری طرح منظم ہو کر کام کر رہے ہیں اور ان کے مختلف گروہ اور جتھے مختلف اطراف سے پوری تنظیم اور اجتماعیت کے ساتھ دینی قوتوں پر یلغار کر رہے ہیں۔اب ظاہر ہے کہ اجتماعیت کا مقابلہ انفرادیت سے نہیں کیا جا سکتا ہے،اس کے لیے اجتماعیت اور نظم ہی کی ضرورت ہے۔

ہر شخص خواہ وہ معاش کے حصول کے لیے کوئی پیشہ اختیار کر چکا ہو،خواہ ابھی کسی فن کے سیکھنے میں مشغول ہو،خواہ سکول کالج کا سٹوڈنٹ ہو یا مدرسہ کا طالب العلم، عالم فاضل ہو یا عامی مرد یا عورت ہو، وہ اس بات کا مکلف ہے کہ اپنی قدرت و طاقت اور اپنی استطاعت کے مطابق متعلقہ فرائض کی انجام دہی میں لگ جائے۔

اولاً انفرادی ذمہ داری اور فرض کے ضمن میں سب سے پہلے انسان اپنے مالک حقیقی کو پہچان کر اپنی پوری زندگی کو اسکی خوشنودی کے مطابق قربان کرنے کے جذبے کے تحت گزارے اور اپنی مرضی سے اسکی اطاعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تمام نفسانی خواہشات سے دستبردار ہو جائے جو اسے اپنے رب کی عبادت، اطاعت اور احکامات کی تعمیل سے روکتی ہیں۔ یہ وہ عقیدہ اور عبادت الٰہی ہے جس کی دعوت تمام انبیاء دیتے آتے رہیں اور جسے اللہ نے انسانوں اور جنات کے لیے اس دنیاوی زندگی میں واحد لائحہ عمل ٹھہرایا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (ذریت)

ثانیاً ہر اس فرد پر جو ایمان کا دعویٰ کرے اپنی انفرادی زندگی میں صحیح عقیدہ اور عبادت کے شرعی طریقے کو اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ دین کی اشاعت و دعوت اور اقامت دین کی کوشش کرے۔ یہ وہ دوسرا بڑا فرض جس کا مکلف ہر فرد کو بنایا گیا ہے۔ جس کی ادائیگی اگر وہ تمام شرائط کے ساتھ اور صحیح صحیح شرعی طریقے پر نہ کرے تو اس کی انفرادی اطاعت گزاری اور نیکوکاری بھی اگر بالکل بے کار نہ ہو تو کم از کم ناقص تو ضرور رہ جاتی ہے۔ پھر یہ دعوت دین اور اقامت دین کوئی اضافی اور نفلی نیکی بھی نہیں بلکہ عین بنیادی فرض ہے جسکی ادائیگی پر ایمان کامل ہونے کا انحصار ہے۔ اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں دوسری تمام اطاعت گزاریاں اور نیکوکاریاں اور باقی تمام تقویٰ، احسان اور سلوک نامکمل ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

"مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ"

جو کوئی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے منع کرے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر دل میں اس سے نفرت کرے اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

الغرض اسی دعوت دین اور اقامت دین کے آداب میں سے اہم چیز اور ان کی شرائط میں شرط اول جماعت کا اہتمام ہے۔ ہر فرد اس بات پر مکلف ہے کہ یہ فرائض ایک اجتماعی جدوجہد کی صورت میں ادا کرے اور اپنی انفرادی زندگی کو اللہ کی عبادت میں دل سے دے اور حسب ضرورت اپنی وقت، اپنی محنت، اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کا بس تھوڑا سا حصہ اپنی معاش کے لیے رکھ کر باقی سارے کا سارا اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے اجتماعی اور جماعتی جدوجہد میں کھپا دے۔

ہمارا کام سب سے پہلے مسلمانوں کو ان کے صحیح عقائد سے روشناس کرانا ہے اور پھر انہیں صاف صاف بتانا ہے کہ اسلام حقیقت میں کیا ہے؟ اسکے تقاضے کیا ہیں؟ مسلمان ہونے کے معنیٰ کیا ہیں اور

مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ کیا ذمہ داریاں آدمی پر عائد ہوتی ہیں؟ ان چیزوں پر صحیح عقیدہ اور شریعت کے مطابق عمل وعبادت اور زندگی گزارنا جب یہ لوگ سمجھ لیتے ہیں تو اس ایک عقیدے اور فکر پر متفق لوگوں کو پھر ہمیں بتانا ہوگا کہ اسلام کے سب تقاضے انفرادی طور پر پورے نہیں کیے جاسکتے، اس کے لیے اجتماعی سعی بھی ضروری ہوتی ہے۔ پورے دین کو قائم کرنے اور حقیقی دعوت واصلاح کرنے کے لیے قطعاناگزیر ہے کہ تمام ایسے لوگ جو مسلمان اور موحد ہونے کی ذمہ داریوں کا شعور اور انہیں ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، متحد ہوجائیں اور منظم طریقے سے دین کو عملاً قائم کرنے اور دنیا کو اس کی طرف دعوت دیتے ہوئے اپنے معاشرے کی اصلاح کی کوشش شروع کریں اور ساتھ ان مزاحمتوں کو راستے سے ہٹائیں جو دعوت دین اور اقامت دین کی راہ میں حائل ہوتی ہوں۔

## عملی زندگی میں نظم جماعت کی پابندی:

ایک مسلمان کے لیے اور پھر ایک تحریکی مسلمان، داعی مسلمان، انقلابی مسلمان کے لیے جماعت کی پابندی اور جماعتی زندگی، منظم زندگی گزارنا بے حد ضروری ہے۔ ہمارا بڑا المیہ یہ ہے کہ دینی تحریکوں میں عموماً نظم کی بہت کمی ہے، ہمارا موجودہ ڈسپلن اور نظم، ہمارے کام اور اسلام کا معیار مطلوب کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ ہمارا بڑا المیہ ہے کہ ہم چند مٹھی بھر آدمی جو تھوڑے وسائل لے کر میدان میں آئے ہیں اور ہمارے مقابلے میں فسق، بگاڑ اور جاہلیت کی ہزار گنا زیادہ طاقت اور لاکھوں گنا زیادہ وسائل۔ لہٰذا ہمارا اور ان کے مقابلے کا نسبت ہی نہیں۔

اب آخر صحیح عقیدہ، بہتر اخلاق وکردار اور جماعت ونظم جماعت کی طاقت کے سوا اور کونسی طاقت ہمارے پاس ایسی ہے جس سے آپ ان کا مقابلہ جیتنے کی امید ہوسکتی ہو، آپ کی امانت دیانت، اخلاق وکردار کا سکہ اپنے ماحول پر بیٹھا ہوا ہو اور نظم جماعت کی پابندی اتنا زبردست ہو کہ آپ کے ذمہ دار لوگ جس وقت جس نقطے پر جتنی طاقت جمع کرنا چاہیں، ایک اشارے پر جمع کرسکیں، تو آپ اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب ہیں۔

جماعت کے بغیر انفرادی سطح پر بعض کام مثلاً درس تدریس، تزکیہ و اصلاح عبادت و ریاضت، تعلیم و تعلم تصنیف و تالیف ہو سکتی ہے۔ لیکن انقلاب، اقامت دین، غلبہ دین، دعوت دین، احیاء دین اور اسلام کا نشاط ثانیہ بغیر جماعت اور نظم کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔

ہماری لوگوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں بدی تو منظم اور پوری باقاعدگی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہے۔ جیب کتروں، ڈاکوؤں کے بھی تنظیم اور گروہ ہیں تخریب کاری تک کے لیے تنظیمیں قائم ہیں۔ اشتراکی، سیکولر، فحاشی عریانی، اسلام کے خلاف کام کرنے والوں کی تنظیمیں اور NGO,s منظم طور پر موجود ہیں۔ لیکن افسوس کہ نیکی منظم نہیں۔

ازروئے شریعت مسلمان پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

[۱] انفرادی ذمہ داری۔ [۲] اجتماعی ذمہ داری انفرادی ذمہ داری:

نفرادی ذمہ داری:

[۱] صحیح عقیدہ۔ [۲] عبادات۔ [۳] اخلاق۔ [۴] معاملات [۵] معاشرہ۔

جتماعی ذمہ داری:

[۱] دعوت دین۔ [۲] خدمت خلق [۳] جہاد [۴] تنظیم اور [۵] اقامت دین۔

## ہمارا دینی مزاج:

ہمارے دین کی مجموعی فطرت اور مزاج خالص اجتماعی ہے۔ اسلام نے آ کر عرب کے متفرق قبائل کو جو باہم دشمن تھے، ان کے درمیان قبائلی تقسیم کو مٹا کر اسلام نے ابدی رشتہ میں ایک دوسرے سے منسلک کر دیا۔ مہاجرین و انصار میں اخوت پیدا کی، جغرافیائی اور نسلی امتیازات کو مٹا کر صرف ایک مذہب اور عقیدے و نظریے کو جامعہ ارتباط قرار دیا، اور اس کے بنیاد پر ایک برادری اور جماعت قائم کی۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ، کَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ.

**عبادات اور اجتماعیت:**

ہمارے دین میں ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد عبادات میں پہلا نماز کا حکم ہے اور پھر مردوں کے لیے فرض نمازیں با جماعت ادا کرنا لازم کیا گیا ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی حقیقی اور شرعی عذر لاحق ہو۔ جماعت کی شکل میں نماز ادا کرنا دراصل اس امر کی ایک علامت اور سبق ہے کہ اسلام تمام معاملات میں ایک طرح عمومی نظم اور جماعت چاہتا ہے۔

پھر ہر مسلمان پر سال کے کسی مہینے میں ایک ماہ کے روزے فرض نہیں گے گئے بلکہ پوری امت کے لیے ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تا کہ اجتماعیت کی شان قائم رہے اور حج تو ہے ہی سراسر اجتماعی عبادت۔ یہ ہے ہمارے دین کے احکام میں اجتماعیت کی اہمیت اور اس کے لزوم کا انتظام۔

**بھیڑ بکریوں کے ریوڑ:**

بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بھی سبق آموز ہے ان کا امیر چرواہا ہوتا ہے وہ آگے اور تمام ریوڑ جماعت اور نظم کی شکل میں اس کے پیچھے رہتے ہیں اور اپنی نظم اور اجتماعیت کی وجہ سے بھیڑیا ان پر حملہ بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی بھیڑ یا بکری ریوڑ سے جدا ہوتا ہے تو بھیڑ اس کو اکیلا پا کر اسے اپنا نوالہ بنالیتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک انسان خصوصا موحد مسلمان ایک جماعت کی نظم میں جکڑی زندگی گزارتا ہے تو وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے اور اگر نظم جماعت سے الگ تھلگ رہ کر زندگی گزارتا ہے تو شیطان کے حملوں کا شکار بن کر رہ جاتا ہے۔ اسی مضمون کو تقریبا حدیث شریف میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

"إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَإِيَّاكُمْ وَالشِّعَابِ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ" مشکوۃ

یقیناً شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے کہ وہ اس بکری کو اٹھا لے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور تم پہاڑ کی گھاٹیوں (جماعت سے دور رہنے) سے بچو۔ نیز جماعت اور مجمع کے ساتھ لگے رہو"۔

اس حدیث میں جماعت سے علیحدہ رہنے یا جدا ہونے یا کنارہ کش ہونے والے آدمی کی مثال اس بکری سے دی گئی ہے جو اپنے ریوڑ سے جدا اور علیحدہ ہو جاتی ہے تو پھر اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ بھیڑ یا اس کے کھا لے جاتا ہے اسی طرح جماعت سے علیحدہ اور کنارہ کش آدمی بھی شیطان کے نرغے میں آجاتا ہے اور اس سے نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری روایت میں جماعت سے دور رہنے کا نقصان اور جماعت پر جمے رہنے کا فائدہ بیان کیا ہے کہ:

"عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ" [ترمذی]

تم پر جماعت کی شکل میں رہنا ضروری ہے اور تن تنہا مت رہو اس لے کہ اکیلے شخص کا ساتھ شیطان بن جاتا ہے لیکن اگر دو مسلمان ساتھ (جماعتی شکل میں) رہیں تو شیطان ان سے دور رہتا ہے۔

## سفر اور جماعت:

نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم بھی دی ہے کہ اگر دو یا تین افراد بھی اکھٹے سفر کر رہے ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے میں سے زیادہ تجربہ کار اور باعلم شخص کو امیر مقرر کر لیں جو دوسرے مسافر کی رہنمائی کرے۔ اسی طرح اگر دو افراد ساتھ ہوں اور نماز ادا کرنے کا موقع آجائے تو انہی میں سے ایک کو امام بن جانا چاہیے اور دوسرے کو مقتدی، اسی طرح کوئی اور ضرورت پیش آجائے تو وہاں بھی کام آئے گا لہٰذا فرمایا۔

"إِذَا خَرَجَ ثَلٰثَةٌ فِيْ سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوْا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ" [ابو داؤد]

جب تین آدمی سفر کے لیے نکلے تو ان میں سے ایک ان پر ضرور امیر ہونا چاہیے اور ایک دوسرے روایت میں ہے:

"لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُوْنُوْا بِفَلَاةٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَيْهِمْ اَحَدَهُمْ"

جائز نہیں یہ بات کہ تین آدمی کسی جنگل صحرا میں ہوں اور وہ اپنے اوپر اپنوں میں سے ایک کو امیر نہ بنالیں''۔

اگر سوچا جائے سفر تو ایک ہنگامی حالت ہے جو کبھی کبھار ہی پیش آتی ہے اس میں بھی بغیر جمارت

اور امیر کے رہنا نا جائز قرار دیا گیا تو معاشرہ میں زندگی گزارنا، دین کا کام کرنا کیسے بغیر جماعت اور بغیر امیر کے جائز اور مفید ہو سکے گا۔

## جماعت کے بغیر زندگی جاہلیت ہے:

ہماری شریعت نے مسلمان کے لیے زندگی بسر کرنے کے لیے جماعت ضروری قرار دی ہے کہ ہر حالت میں منظم اور جماعتی زندگی بسر کرے۔ اور ان کا کوئی اجتماعی کام جماعت اور امارت کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔ صحیح اسلامی زندگی جماعت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ زندگی کے صحیح اسلامی ہونے کے لیے سب سے مقدم چیز اسلام کے نصب العین کے لیے جد جہد کریں اور جدوجہد طاقت کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا جماعت کے بغیر کسی زندگی کو صحیح اسلامی زندگی سمجھنا بالکل غلط ہے۔ ہم ایسی زندگی کو کم از کم نیم جاہلیت کی زندگی سمجھتے ہیں۔

حدیث میں بھی جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی اور جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیحدگی کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے "اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ ، اَللّٰهُ اَمَرَنِىْ بِهِنَّ اَلْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. فَاِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مِنْ جِثِيِّ جَهَنَّمَ قَالُوْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى ؟ قَالَ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ" حاکم، احمد

میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے ۱۔ جماعت ۲۔ سمع ۳۔ اطاعت ۴۔ ہجرت ۵۔ اللہ کی راہ میں جہاد پس جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی نکل گیا۔ اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا الا یہ کہ وہ پھر جماعت کی طرف پلٹ آئے اور جس نے جاہلیت (جماعت میں افتراق وانتشار) کی دعوت دی وہ جہنمی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور

مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔

## نظم جماعت کی پابندی:

ہم اول سے لوگوں اور ارکان کو یہ بات ذہن نشین کرتے ہیں کہ جماعت میں وہ شخص داخل ہو جو اچھی طرح یہ اطمینان کرے یہ جماعت واقعی دین، دعوت دین، اقامت دین کے لیے قائم ہوئی ہے۔ اس کی دعوت، اصلاح، طریق کار، اور اصول تنظیم وہی ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔ جب اس معاملے میں پوری طرح مطمئن ہو جائے تو جماعت میں داخل ہو۔ اور جماعت میں داخل ہونے کے بعد پھر اسے ٹھیک اسی سمع وطاعت کا التزام کرنا چاہیے جس کا حکم قرآن اور حدیث نے دیا ہے۔

اس کے بعد جماعت کے ڈسپلن اور نظم کو توڑنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آدمی نے ایک دنیاوی پارٹی کے ڈسپلن اور نظم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے خود اپنے عقیدے میں جس کام کو خدا کا کام سمجھا تھا، اس کو جان بوجھ کر خراب کیا اور قصداً خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ورزی کی۔

## سمع وطاعت:

اسلامی نقطہ نظر سے دعوت دین، اقامت دین کی سعی کرنے والے دراصل جماعت ہے اور جماعت کے اولی الامر کی اطاعت فی المعروف دراصل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جز ہے۔

جو شخص اللہ کا کام سمجھ کر کر رہا ہے اور اللہ ہی کے کام کی خاطر جس نے کسی کو اپنا امیر جانا ہے، وہ اس کے جائز احکام کی اطاعت کرکے دراصل اس کی نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے:

مَن يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي

الغرض جس قدر اللہ اور اس کے دین سے آدمی کا تعلق زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ سمع وطاعت میں بڑھتا ہوا ہوگا۔ اور جتنی اس تعلق میں کمی آئے گی اتنی سمع وطاعت میں کمی ہوگی۔

☆......☆......☆

# تربیت

تربیت، زندگی کے لیے انتہائی اہم اور ناگزیر چیز ہے۔ تربیت ہر دل کی آرزو ہے، ہر دل کو محبوب ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

## اہمیت اور محبوبیت کیوں؟

زندگی کی ساری تگ و دو محبوب مقاصد کے حصول میں کامیابی کے لیے ہوتی ہے۔ زندگی میں سارا رنگ اور مزا انہیں محبوب مقاصد کے حصول کے دم سے ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ مقاصد کیا ہیں۔ وہ اعلیٰ بھی ہو سکتے ہیں اور ادنیٰ بھی، وسیع بھی ہو سکتے ہیں اور محدود بھی، مادی بھی ہو سکتے ہیں اور روحانی بھی، انفرادی بھی ہو سکتے ہیں اور اجتماعی بھی، اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔ جیسے مقاصد، ویسی تربیت۔

اس سے بھی بحث نہیں کہ ایک انسان نے جن مقاصد کو محبوب بنایا ہے، اور جن کے حصول میں کامیابی کو محبوب بنایا ہے، اور جن کے لیے وہ کوشاں ہے، وہ اس لائق بھی ہیں یا نہیں کہ ان کو مقصود و محبوب بنایا جائے۔ تم کو تو انسانی فطرت کی یہ حقیقت یاد رکھنا چاہیے کہ جو بھی مقاصد ہوں، جب وہ محبوب ہو جاتے ہیں تو ان کے حصول میں کامیابی بھی محبوب ہو جاتی ہے۔

جب کوئی مقصد محبوب ہوتا ہے تو اس مقصد میں کامیابی کے لیے تم وہ سارے ذرائع اور وسائل جمع کرتے ہو اور لگاتے ہو جو اس کامیابی کے لیے درکار ہوں، اور ان ذرائع و وسائل کو تم نشوونما دے کر تراش خراش کر اس لائق بھی بناتے ہو کہ وہ کامیابی کے حصول میں پوری طرح مددگار و معاون ہوں اور تم وہ ساری جدوجہد اور کوشش بھی کرتے ہو جو کامیابی کے لیے درکار ہو۔

اب یہاں یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اگر کسی چیز کے مقصد ہونے کا تمہیں دعویٰ ہے تو وہ تمہیں کتنا محبوب ہے؟ اس کی کسوٹی نہ تمہاری زبان سے اعلان ہے نہ تمہارے قلم سے، بلکہ اس کی کسوٹی تو صرف یہ ہے کہ تم اس مقصد میں کامیابی کے لیے درکار ذرائع اور وسائل جمع کرتے ہو یا نہیں، اور

کامیابی کے حصول کے لیے بھرپور جدوجہد، کوشش اور کاوش کرتے ہو یا نہیں۔

دوسری بات یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ جب مقصد واضح ہو اور واقعی محبوب ہو تو وہ خود ہی اپنے حصول کے لیے راہ نما اور استاد کا کام بھی کرتا ہے، وہ خود ہی منارہ نور اور قطب نما بھی بن جاتا ہے۔ بلکہ بعض حالات میں تو وہ ان وظائف کے لیے کافی ہوتا ہے، اور کسی ذریعہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ یعنی مقصد ہی بتا دیتا ہے کہ اس کے حصول کے لیے کیا وسائل اور ذرائع درکار ہیں، ان کو کیا اور کس طرح نشوونما دینا ہے۔ وہ نشانات راہ بھی متعین کرتا ہے، راہیں بھی کھولتا ہے، طریقے بھی بتاتا ہے اور سمت بھی صحیح رکھتا ہے۔

وسائل و ذرائع کیا درکار ہیں، اور ان کو نشوونما دے کر کیا بنانا ہے کہ وہ مفید مطلب ہوں، اس کا سارا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ مقصد کیا ہے۔ اگر تمہیں سپاہی بننا ہے تو کتاب قلم نہیں، ہتھیار درکار ہوں گے۔ اگر عالم بننا ہے تو کتاب قلم کی ضرورت ہوگی۔

لیکن ایک چیز جس کی تمہیں ہر مقصد کے حصول کے لیے ضرورت ہوگی، وہ تمہاری اپنی شخصیت ہے۔ شخصیت کا لفظ ہم وسیع معنوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ تمہارا جسم، تمہاری عقل، تمہاری معنوی صلاحیتیں، تمہارا دل، تمہارے جذبات، تمہارا کردار، تمہارے اخلاق، غرض ہر چیز شخصیت میں شامل ہے۔ اپنی شخصیت کو نشوونما دے کر اس بات کا اہل بنانا کہ وہ اپنا محبوب مقصد حاصل کر لے اسی کا نام تربیت ہے۔

مقصد کے حصول میں کامیابی کے لیے جو کچھ بننا ہمارے لیے ضروری ہے، یا جو کچھ ہم بننا چاہیں، وہ تربیت کے بغیر نہیں بن سکتے۔ اسی طرح جو محبوب مقصد ہم حاصل کرنا چاہئیں، وہ ہم اس وقت تک صحیح طور پر یا مکمل طور پر حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک اس کے لیے ہم خاطر خواہ تربیت حاصل نہ کر لیں، یا ہمیں حاصل نہ ہو جائے۔

یہ تربیت ہم منظم و مرتب کوشش سے بھی حاصل کرتے ہیں، اور بغیر منظم کوشش کے بھی۔ اسی طرح شعوری طور پر بھی اور غیر شعوری طور پر بھی تربیت حاصل ہوتی ہے۔

ایک تربیت وہ ہے جو ہمارے جسمانی وجود کی تربیت ہے، ہمارے جسم کی، جسم میں بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کی، خصوصاً سوچنے سمجھنے، دیکھنے، سننے (سمع، بصر اور فواد) اور عمل کرنے کی استعداد کی تربیت۔ اگرچہ اس کا بھی ایک حصہ اور ایک درجہ اپنے ارادے اور کوشش سے حاصل ہوتا ہے، مگر ہم خود کریں یا نہ کریں، چاہیں یا نہ چاہیں، یہ تربیت بڑی حد تک بہ ظاہر خود بخود ہوتی رہتی ہے، لیکن صرف بہ ظاہر۔ کیونکہ در حقیقت یہ ہمارے رب اور مربی کا دست قدرت ورحمت ہے، جو ہماری یہ تربیت کرتا ہے۔ ہماری پیدائش کا عمل شروع ہوتے ہی یہ تربیت شروع ہو جاتی ہے، اور عمر بھر جاری رہتی ہے۔ یہ تربیت نہ ہو تو ہمارا وجود، وجود میں ہی نہیں آسکتا، اور آجائے تو ایک بامعنی وجود نہیں بن سکتا۔

دوسری تربیت وہ ہے، جو ہمارے معنوی وجود کی تربیت ہے۔ ہمارے دل ودماغ کی، ہمارے علم وفکر کی، ہمارے جذبات واحساس کی، ہمارے اعمال واخلاق کی اور ہمارے کردار اور سیرت کی تربیت ہے۔ اس تربیت کا ایک حصہ ہمیں پیدائشی طور پر ملتا ہے، ایک حصہ اپنے ماحول سے بھی ملتا ہے لیکن فی الجملہ یہ تربیت ہمارے ارادے اور کوشش سے، اور خود ہمارے کچھ کرنے سے ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو ہمارے ارادے اور کوشش کی حیثیت صرف شرائط کی ہے، ورنہ در حقیقت یہاں بھی ہمارا مربی، ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہیں جس کی توفیق اور دست گیری کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

آخر اللہ کی پیدا کردہ اس کائنات میں کوئی چیز بھی ان کی حیثیت اور تدبیر کے بغیر اور بخود یا صرف کسی غیر اللہ کے کرنے سے کیسے ہو سکتی ہے؟ اس تربیت سے زیادہ اہم اور ضروری چیز ہمارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے نتیجے میں ہمیں عقلی، علمی، معنوی، جسمانی اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں اور مہارتیں حاصل ہوتی ہیں، جن سے ہم دنیا کے بڑے بڑے کام انجام دیتے ہیں۔ اسی سے ہمیں نیک سیرت، بلند وپختہ کردار اور پاکیزہ اخلاق کی بیش بہا نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ پاک سیرت، مضبوط کردار اور حسن اخلاق دنیا کی سب سے خوب صورت چیزیں ہیں، سب سے زیادہ محبوب اور عزیز ہیں، سب سے زیادہ قیمتی

ہیں۔ دنیا میں حقیقی محبوبیت بھی عموماً انہی کے ذریعے ملتی ہے۔ مگر آخرت میں تو اپنے رب اور مربی کے نزدیک مقبولیت اور محبوب اور اس کی قربت اور جنت، صرف اسی تربیت کے ذریعے نصیب ہوسکتی ہے۔ ان نعمتوں سے بڑھ کر اور کیا چیز محبوب ہوسکتی ہے۔ پھر تربیت ہمارے دل کی آرزو اور ہمارے دل کو محبوب کیوں نہ ہو کہ ان محبوب مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔

اسی لیے دنیا و آخرت کی فلاح کو تزکیہ و تربیت پر منحصر کردیا ہے۔ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ ۸۷:۱۴) بے شک فلاح پاگیا جس نے بہ اہتمام اپنا تزکیہ آپ کیا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (الشمس: ۹۱:۹) بے شک فلاح پاگیا جس نے مسلسل تدریج کے ساتھ اپنی شخصیت کا تزکیہ کیا۔ جنت کے سدا بہار باغ نہریں اور بلند درجات اسی کے لیے ہیں جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

[طٰہٰ:۲۰:۷۶]

## تربیت کا مقصود، جنت:

ہماری نگاہ و دل کے لیے کون سا مقصد سب سے بڑھ کر محبوب ہونا چاہیے کہ جس کے حصول میں کامیابی پر ہماری اپنی تربیت کی ساری کوشش مرکوز ہو؟

پہلے ہی قدم پر یہ فیصلہ کرنا اس لیے اہم اور ضروری ہے، کہ جیسا مقصد ہوگا اس کے حصول میں کامیابی کے تقاضوں کے مطابق ویسی ہی اپنی شخصیت ہمیں بنانا ہوگی اور اسی کے مطابق طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ اگر کسی کا مقصد حصول علم ہے تو کامیابی کے لیے وہ درس گاہوں میں جائے گا، اہل علم سے علم حاصل کرے گا، کتاب قلم سے رشتہ جوڑے گا، تجزیہ اور اظہار و بیان کی قدرت حاصل کرے گا۔ اگر کسی کا مقصد روحانی ترقی ہے، تو وہ کامیابی کے لیے خانقاہوں اور مشائخ کا رخ کرے گا۔ مجاہدہ و ریاضت کرے گا، ذکر و مراقبے سے شغل رکھے گا۔ اگر اسے جنگ لڑ کر جیتنا ہے تو وہ کتاب و قلم اور ذکر و نفس کشی چھوڑ کر اسلحہ کا استعمال سیکھے گا اور قوت فراہم کرے گا۔

☆......☆......☆

# انسانی فطرت

قرآن نے دعوت و تربیت کے لیے حکمت کو ضروری قرار دیا ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ

کوئی بھی داعی یا مربی حکمت کی صفت سے اسی وقت متصف ہو سکتا ہے جب وہ انسانی فطرت کی بنیادی باتوں سے واقف ہو۔ اس کے بغیر نہ تو کوئی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے اور نہ ہی اس میں صحیح معنوں میں اجتماعی قیادت کی بصیرت پیدا ہو سکتی ہے۔

قرآن میں انسانی فطرت کے وہ کمزور پہلو بھی پیش کیے گئے ہیں جو تمام انسانوں کی زندگی میں کم و بیش پائے جاتے ہیں اور ان نفسیاتی موثرات کا بھی ذکر کیا ہے جو فطرت انسانی کی نیوٹرل حیثیت پر منفی یا مثبت اثر ڈالتے ہیں۔

انسانی فطرت کیا ہے؟ کسی اصطلاحی اور فنی بحث میں پڑے بغیر قرآن و سنت کے نظائر کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ "فطرت قبول حق کی اُس استعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلے میں اللہ کی طرف سے ہر فرد کو عطا کی جاتی ہے"۔ گویا کہ اس کی حیثیت اس بیج کی ہے جس میں بالقوۃ نشو نما پانے اور درخت بننے کی استعداد موجود ہوتی ہے۔ فطرت کے اس ابتدائی مرحلے میں ہر انسان نیک اور مسلم ہی ہوتا ہے البتہ بعد میں دیگر خارجی موثرات اس کی فطرت کے نور کو دھندلا دیتے ہیں یا اس کو جلا بخشنے میں معاون بن جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ وَ يُمَجِّسَانِهِ.

[بخاری و مسلم]

"ہر بچہ فطرت اسلام [توحید] پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین [وراثت، ماحول، تربیت] اسے یہودی عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

قرآن و سنت سے ہمیں انسانی فطرت پر اثر انداز ہونے والے تین موثرات کی نشاندہی ہوتی ہے:

ا۔ وراثت۔ ۲۔ ماحول۔ ۳۔ تربیت

وراثت:

انسانی طبیعت اور مزاج میں کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں وراثتی طور پر نفوذ پاتی ہیں۔ تعمیر شخصیت کے ابتدائی اور اہم مرحلے میں چونکہ والدین اور اعزہ واقربا انسان کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔، اس لیے انسانی مزاج کی تشکیل میں ان کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کئی مقامات پر حضور ﷺ کے دور میں موجود بنی اسرائیل کی روش پر تنقید کرنے کے لیے یہود و نصاریٰ کے آبا و اجداد کے بگاڑ کو بطور استدلال ذکر کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرة ۲: ۷۲)

اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب تم نے ایک شخص کی جان لی تھی، پھر اس کے بارے میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر قتل کا الزام تھوپنے لگے تھے اور اللہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اسے کھول کر رکھ دے۔

جس قتل کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے دور کے بنی اسرائیل نے نہیں بلکہ ان سے صدیوں پہلے ان کے آباء و اجداد نے کیا تھا۔ وہ اسے چھپا رہے تھے لیکن اللہ کا حضور ﷺ کے دور کے یہود کو مخاطب کر کے یہ کہنا کہ تم نے قتل کیا، تم نے اس بارے میں جھگڑا کیا اور تم چھپاتے ہو۔ در حقیقت اس بات کا اظہار ہے کہ تم نے وراثتی طور پر ان کا مزاج قبول کیا اور ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرة ۲: ۸۷)

پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا، تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے دور کے یہودیوں نے کسی رسول کو قتل نہیں کیا۔ مقصد یہی بتانا تھا کہ وہ

اس بری صفت میں اپنے آباء کے وراثتی اثرات کے جانشین ہیں۔ ان کا بس چلے تو وہ ایسا کر گزریں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کچھ مزاجی خصوصیات یقیناً وراثتی ذریعے سے اگلی نسل میں منتقل ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہود کے آباء کے کرتوتوں کو ان سے منسوب کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

احادیث رسول اللہ ﷺ سے بھی وراثتی اثرات کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَلنَّاسُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ (مسلم)

لوگوں کی مثال سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہے۔

یعنی سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح انسانی کانوں سے بھی مختلف قسم کے انسان نکلتے ہیں۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

اَلْوُدُّ يَتَوَارَثُ وَالْبُغْضُ يَتَوَارَثُ (کنز العمال)

دوستی اور دشمنی کے اثرات وراثتاً چلتے ہیں۔

حقوق کی ادائیگی اور مطالبہ کے بارے میں حضور ﷺ نے لوگوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا۔

۱۔ بعض ادائیگی میں ڈھیلے اور مطالبے میں سخت ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض ادائیگی میں اصول کے پابند اور مطالبے میں نرم ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض ادائیگی میں بھی اچھے اور مطالبے میں بھی اچھے ہوتے ہیں۔

۴۔ بعض ادائیگی میں بھی برے اور مطالبے میں بھی برے ہوتے ہیں۔ (سنن ترمذی، مشکوٰۃ)

اظہار جذبات کے سلسلے میں بھی رسول اللہ نے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں جس سے وراثتی اثرات پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

۱۔ بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

۲۔ بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔

۳۔ بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

۴۔ بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔ (ترمذی مشکوٰۃ)

## ماحول:

انسانی فطرت پر اثر انداز ہونے والی دوسری چیز انسان کے ارد گرد کا ماحول ہے۔ انسان شعوری اور غیر شعوری طور پر ماحول سے ضرور متاثر ہوتا ہے ماحول کی دو اقسام ہیں: ایک تمدنی ماحول یعنی انسانوں کے عقائد و افکار اور ادب و اخلاق اور دوسرے مادی ماحول یعنی جغرافیائی آب و ہوا اور انسانی ضروریات۔ قرآن و سنت سے دونوں کے موثر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

## تمدنی ماحول کے موثر ہونے کی مثال:

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۱۶)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

آیت میں، مترفین، سے مراد وہ تمام کھاتے پیتے لوگ ہیں جو مالی آسودگی اور سماجی قیادت کے باعث ماحول پر اثر انداز ہونے کی قوت و صلاحیت رکھتے ہیں۔ اپنے سماجی مرتبے کے باعث دعوت کے اولین مخاطب بھی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی ماحول کی تعمیر و تشکیل میں یہ بنیادی عنصر کا مقام رکھتے ہیں۔

بچوں کو جس اجتماعی ماحول سے واسطہ پڑتا ہے اس کی تعمیر و تشکیل میں اصل اور موثر کردار والدین کا ہی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ .

[بخاری و مسلم]

مادی وجغرافیائی کے موثر ہونے کی مثال: مادی اور جغرافیائی ماحول کے انسانی شخصیت پر اپنے مخصوص اثرات ہوتے ہیں۔اس تاثر کے بارے میں یہ حدیث رہنمائی کرتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَرْضِ فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰى قَدْرِ الْاَرْضِ فَجَاءَ مِنْهُمُ الْاَحْمَرَ وَ الْاَبْيَضَ وَالْاَسْوَدَ وَ بَيْنَ ذَالِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحُزْنُ وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَاءَ (ترمذی، ابو دائود)

اللہ نے دنیا کے ہر حصے سے مٹھی بھر خاک لی اور اس سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔اس لیے انسان زمین کے اختلاف سے رنگ اور اخلاق میں مختلف ہو گئے۔بعض سرخ بعض سفید، بعض سیاہ اور بعض متوسط درجے کے۔اسی طرح بعض نرم مزاج، بعض سخت مزاج، بعض اچھے اور بعض برے۔جس نے دیہات میں سکونت اختیار کی اس میں سختی آ گئی۔

ابن خلدون کے بقول انسان کے جسم اور اخلاق پر اقلیم (ریاست)، درجہ حرارت، آب و ہوا، قحط وارزانی وغیرہ تمام چیزوں کا اثر پڑتا ہے۔

## تربیت:

انسانی فطرت پر اثر انداز ہونے والی تیسری چیز تربیت ہے۔قرآن میں اس کے لیے تزکیہ کا جامع لفظ استعمال ہوا ہے۔اور تزکیہ کو کار رسالت میں بنیادی مقام حاصل ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ [الجمعة ۶۲ : ۲]

[یہ رسول ﷺ] ان لوگوں کو اللہ کی آیات سناتا ہے، ان کو پاک صاف کرتا اور کتاب وسنت کی تعلیم دیتا ہے۔

منصب رسالت کے مندرجہ بالا چار مقاصد کو اللہ نے قرآن میں تین اور مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے۔
امام ابن جریر طبریؒ کے مطابق:

معنى التزكيه: التطهير وان معنى الزكاة: النما و الزيادة (جامع البيان: ۱، ۵۵۸)

عربی زبان میں تزکیہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ایک تطہیر یعنی پاک صاف کرنا۔ دوسرے تنمیہ یعنی نشونما دینا، بڑھانا، ترقی دینا۔ پس تزکیہ نفس کا مفہوم یہ ہوا کہ نفس کو بری صفات سے پاک کر کے اچھی صفات کی آبیاری سے اس کو نشونما دی جائے۔ (تصور اور تعمیر سیرت ص ۶۳)

گویا تزکیہ سے مراد غلط نظریات وعقائد سے شیشہ دل اور آئینہ دماغ کو صاف کر کے صحیح اصول و نظریات اور اخلاق سے انہیں آراستہ کرنا ہے۔ تربیت کا مقصد بھی انسانی فطرت اور صلاحیتوں کو ایک منظم رخ دینا ہوتا ہے۔

جہاں تک فطرت انسانی پر تربیت کے اثرات کا تعلق ہے تو اس کو فنی اصطلاحات سے ہٹ کر سادہ اسلوب میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ انسان میں دو قسم کی صفات پائی جاتی ہے:

۱۔ وہ جن کا تعلق مزاج اور طبیعت سے ہے مثلاً غصہ اور شہوت کی کمی بیشی، ذہانت اور کند ذہنی اور معاملہ فہمی وغیرہ۔

۲۔ وہ صفات جن کا تعلق مزاج اور طبیعت سے تو نہیں لیکن بار بار کرنے سے ایسی مشق اور عادت ہوگئی ہو کہ گویا طبیعت ثانیہ بن گئی ہیں، جیسے ہمدردی وخیر خواہی، سخاوت، دلیری، بزدلی، کنجوسی، خودغرضی وغیرہ۔

پہلی قسم کی صفات انسانی سرشت اور خمیر کا حصہ ہوتی ہیں۔ قدیم اصطلاح میں انہیں جبلت اور جدید اصطلاح کے مطابق یہ نفسیاتی بنیادیں کہلاتی ہیں۔ اس قسم کی صفات میں تبدیلی ناممکن ہے۔ غصہ اور شہوت کو تربیت کے ذریعہ بالکل ختم کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی کند ذہن کو ذہین بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ مِنْ مَكَانِهِ فَصَدِّقُوْهُ وَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهِ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهِ فَإِنَّهُ يَصِيْرُ إِلٰى مَا جُبِلَ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ)

جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو صحیح مان لو لیکن اگر کسی انسان کے بارے میں سنو کہ اس کی خصلت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق مت کرو کیونکہ بالآخر وہ اپنی جبلت کی طرف ہی لوٹ آئے گا۔

گویا کوئی جبلی صفت ایسی نہیں کہ وہ بالکل ایسے ختم ہو جائے کہ اس کی جگہ کوئی دوسری جبلی صفت آ جائے۔ البتہ اس صفت کے استعمال کا رخ اگر پھیر دیا جائے یا ایک حد تک کسی صفت میں نکھار پیدا کر دیا جائے تو وہ اس حدیث کے خلاف نہ ہوگا۔ جیسے کسی انسان میں غصہ اور غیرت کا عنصر زیادہ ہے تو اس کی اس صفت کا رخ مظلوموں کی حمایت میں ظالموں کے خلاف کر دینا۔ لیکن کسی کے مزاج کی تیزی کو بالکل ختم کرنا ناممکن ہے۔

۲۔ دوسری صفت کا تعلق مزاج اور طبیعت سے تو نہیں ہے لیکن بار بار کرنے سے ایسی مشق اور عادت ہو جائے کہ گویا وہ طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ ایسی صفات انسان کے اختیار میں ہیں۔ جس طرح قصد و ارادہ سے عادت ڈالی گئی ہے اسی طرح جبر و سختی سے یہ عادت چھڑوائی جا سکتی ہے۔ (کشف الظنون)

اس حقیقت کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے:

اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا (مسلم)

لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی مانند ہیں۔ جو دور جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہوں گے جب انہوں نے دین کی سوجھ بوجھ حاصل کر لی۔

اگر تربیت کے ذریعے اوصاف و خصوصیات کے استعمال میں تبدیلی تسلیم نہ کی جائے تو حدیث میں اذا فقھوا کی قید بے کار ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی میں رسول اللہ کی زیر تربیت جو تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ یہی ہیں کہ صلاحیتوں اور صفات کے استعمال کرنے کے مواقع بدل گئے۔ سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ میں تبدیلی پیدا ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کے مزاج کی سختی تو آخر تک موجود رہی البتہ وہ سختی جو کبھی اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتی تھی، اب کفر کی راہ کی رکاوٹ بن گئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کا جنگ میں جارحانہ انداز اور اقدامی مزاج جو کبھی احد میں مسلمانوں کے نقصان کا باعث بنا تھا، وہی اقدامی مزاج مسلمانوں کی فتوحات اور جنگ موتہ میں مسلم افواج کو تین ہزار کی معمولی تعداد کو رومیوں کے ایک لاکھ کے لشکر سے

مامون و محفوظ نکال لانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ابو بکرؓ کے مزاج کی لطافت ورافت،ابوذرؓ کی گوشہ نشینی اور ابو درداؓ کی رقیق القلبی اب بھی موجود تھی البتہ ان مزاجی خصائص میں ایک قسم کا نکھار پیدا ہو گیا تھا۔

تربیتی عمل بعض اوقات کسی ایک استاد، مرشد یا قائد کی زیر نگرانی پروان چڑھتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کبھی مدین میں ایک مرد بزرگ [حضرت شعیب علیہ السلام] کے گھر میں ان کے زیر تربیت رہنا اور کبھی ان کا اللہ کے ایک اور بندے [خضر علیہ السلام] کی معیت میں سفر کرنا۔بعض اوقات کسی شخصیت کو قدرتی طور پر ایسے حالات اور کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے جو اس میں ایک خاص قابلیت پیدا کرنے اور ایک استعداد کی افزائش کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔مصری معاشرے پر حکومت کے لیے ایک خاص تربیت اور استعداد کی ضرورت تھی جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنعان کے قبائلی علاقے میں نہ مل سکتی تھی۔اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کبھی عزیز مصر کے گھر میں قیام کا موقع دیا تو کبھی طویل قید کی آزمائش سے دوچار کیا۔اس طرح وہ ایوان شاہی کے مزاج اور مصری معاشرے کی خوبیوں خامیوں سے نہ صرف آگاہ ہوئے بلکہ اس معاشرے کی سیادت کے قابل بھی ہو گئے۔اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ [۲۰: ۴۰، ۴۱]

"اور تجھے مختلف آزمائشوں سے گزارا اور تو مدین کے لوگوں میں کئی سال ٹھہرا رہا۔پھر اب ٹھیک اپنے وقت پر اے موسیٰ علیہ السلام تو آ گیا ہے۔اور میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے پسند کر لیا"۔

اکثر انبیاء کو بھیڑ بکریاں چرانے کے مواقع حاصل رہے جیسا کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا:

اَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ؟

کیا آپ نبوت سے پہلے بکریاں چراتے تھے؟

آپ نے جواب میں فرمایا:

نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا رَعَاهَا (بخاری و مسلم)

ہاں، کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

بکریاں چرانے سے ضبط نفس کی کیسی تربیت حاصل ہوتی ہے اور قوم کی رہنمائی اور سیادت کی تربیت کے لیے "رعایت شاۃ" کس قدر موزوں ہے، اس کو وہی لوگ ٹھیک طرح سمجھ سکتے ہیں جو بکری کی نفسیات اور چرواہے کے رویے سے آگاہ ہوں۔ بالعموم چرواہا بکری کو جس فصل یا کھیت میں جانے سے روکتا ہے، بکری اس کی طرف بار بار لپکتی ہے۔ بعض اوقات تو چرواہا بکری پر اپنے غصے کے عملی اظہار کے لیے لاٹھی اٹھا لیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اپنی لاٹھی سے اس کی خوب خبر لے۔ لیکن اس کی اٹھی ہوئی لاٹھی بالآخر اس کی پیٹھ تک پہنچتے پہنچتے آرام کے ساتھ کر ٹک جاتی ہے۔ کیونکہ بکری پر تشدد کا نتیجہ اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔ دیگر جانوروں کی عدم اطاعت پر چرواہا ان پر خوب غصہ نکالتا ہے اور انتہائی مار پیٹ کرتا ہے۔ لیکن بکری کے جسم کی نزاکت کے باعث اس پر قابو پانے کے باوجود چرواہا کبھی اس پر اس طرح کا تشدد نہیں کرتا جیسا دیگر جانوروں سے کرتا ہے۔

ایک چرواہا اس عمل سے روزانہ بیسیوں مرتبہ گزرتا ہے۔ اس طرح اسے ضبط نفس کی تربیت ملتی ہے اور اپنے ماتحت کمزور جانوروں کی جسمانی نزاکت اور حفاظت کا خیال رکھنا، اس کے قلبی احساسات کا حصہ بن جاتا ہے۔

انبیاء کو چونکہ بڑے پیمانے پر انسانوں کی تربیت کرنا ہوتی ہے، اس لیے انہیں بطور امیر کارواں جس خوئے دلنوازی اور جاں پرسوزی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اس عمل کے ذریعے ان کے اندر وافر مقدار میں پیدا ہو جاتی ہے۔

مزاج انسان کی ترکیب:

حکیم بقراط کے خیال میں انسان چونکہ مختلف عناصر کا مرکب ہے اور ہر انسان میں عناصر کی ترکیب مختلف ہوتی ہے اس لیے ان عناصر کی اس کمی بیشی کے باعث مختلف انسانوں کے مزاج میں بھی

فرق در آتا ہے۔ اجتماعی معاملات سے متعلق ہر انسان کا ذہنی رویہ اس کے مزاج سے ترتیب پاتا ہے۔ اسی لیے بقراط لوگوں کا علاج ان کے مزاج کو مدنظر رکھ کر کرتا تھا۔

قرآن وسنت کے نظائر اور دیگر اہل دانش کے افکار میں ایک داعی کے لیے یہ راہنمائی پائی جاتی ہے کہ وہ دعوت وتربیت کے عمل میں ہر فرد کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکے۔ عصر حاضر میں انسانی شخصیت کے تجزیاتی مطالعے اور تحقیق کا جو مفید کام سامنے آیا ہے، ایک داعی ومربی کو اس سے بھی استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

انسانی شخصیت کے حوالے سے ایک تھوری کارل یونگ (Carl Jung) نے ۱۹۲۱ء میں پیش کی۔ جس کے مطابق انسانوں کی دو بڑی اقسام ہیں:

۱۔ دروں بیں (Intorvert)

۲۔ ظاہر بیں (Extrovert)

پہلی قسم کے لوگ تصورات وخیالات اور احساسات کی دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، انہی میں سے وہ ادیب، شاعر، مصور، فلسفی اور دانشور پیدا ہوتے ہیں جن میں سوچ کی پختگی اور گہرائی پائی جاتی ہے اور یہ محض ظاہر سے متاثر نہیں ہوتے۔

دوسری قسم کے افراد بیرونی دنیا پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ اشیاء، افراد اور ان کے معاملات وتعلقات سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سائنسدان، سیاستدان اور کاروباری اور منتظم افراد اسی طبقے سے متعلق ہوتے ہیں۔

اجتماعی امور کی انجام دہی میں اسلام نے اس بات کا لحاظ کیا ہے کہ ہر فرد ہر کام کا مکلف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کچھ فرض کفایہ ہیں جو پوری امت پر مجموعی لحاظ سے عاید ہوتے ہیں۔ جیسے نماز جنازہ، تبلیغ دین اور جہاد کرنا۔ اگر امت میں سے کچھ اہل ہمت اٹھیں اور ان فرائض کی ادائیگی کردیں تو امت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً (التوبة ۹: ۱۲۲)

اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کیس ارے ہی نکل کھڑے ہوتے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (آل عمران ۳: ۱۰۴)

تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی و خیر کی طرف بلائیں۔

ان آیات سے یہ واضح ہے کہ ہر آدمی نہ تو جنگ کرنے کے قابل ہے اور نہ ہی ہر آدمی داعی و مبلغ بن سکتا ہے۔ معاشرے کی دیگر ضروریات اور مصلحتیں بھی ہیں جو باقی افراد سے پوری ہوتی رہی گی۔ اسی طرح امارت و سیادت کچھ خاص مزاج اور صلاحیت کا تقاضا کرتی ہے۔ جس کا ہر آدمی اہل نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے درویش منش انسان نے جب ایک سرکاری عہدے کے لیے خود کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا:

اِنَّكَ ضَعِيْفٌ (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہر کام میں ہاتھ ڈالے اور ہر برے بھلے طریقے سے انجام دینا شروع کردے۔

حضور ﷺ کا ابوبکرؓ سے گھر کا سارا مال اور عمرؓ سے گھر کا آدھا مال لے لینا جبکہ ایک دوسرے موقع پر ایک صحابی کی طرف تمام مال صدقہ کرنے کی خواہش کے اظہار پر حضور ﷺ کا اسے کم کرنے کی تاکید کرنا، اس کی طرف سے آدھے مال کی پیشکش پر مزید مال کم کرنے کی تلقین اور بالآخر اس کی ایک تہائی جائیداد کی پیش کش کو قبول کرنا۔ کسی صحابیؓ کے سوال پر حالت روزہ میں اسے بیوی سے بوس و کنار کی اجازت دینا اور کسی دوسرے صحابی کو اس کی ممانعت۔ اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرشد و مربی کی حیثیت سے ہر انسانی مزاج کی رعایت کو ملحوظ رکھا۔

ایک داعی و مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ فرائض و واجبات اور مستحبات کی اسی ترتیب اور اہمیتوں کی اسی ترجیح کو ملحوظ رکھے جو شریعت نے بتائی ہے۔ یہ درست نہ ہوگا کہ وہ اپنی افتاد طبع اور مزاج

کے مطابق احکام دین کی ترجیح بدل ڈالے اور اپنے طبعی رجحان کے باعث جو کام وہ خود کر رہا ہو، اس اپنے طبعی رجحان اور سوچ کو وہ اصل دین کے طور پر پیش کرنا شروع کر دے۔

آج خدمت دین کا کام کرنے والے اکثر افراد کا فہم دین اور تصور دین، ان کے مخصوص مزاج اور طرز فکر کے زیر اثر ترتیب پایا ہوا ہے۔ اپنے مخصوص مزاج کے زیر اثر دینی تقاضوں کو ترتیب دینے والے یہ افراد جب قیادت کے منصب پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو وہ اپنے ماتحتوں کو ویسی ہی تربیت دیتے ہیں جو ان کے مزاج سے ہم آہنگ ہو۔ بغیر یہ دیکھے کہ وہ ترتیب و ترجیح دین کے تقاضوں سے واقعی ہم آہنگ بھی ہے یا نہیں۔ اسی وجہ سے آج بہت سی تنظیمیں دین کے مختلف فروعی پہلوؤں کو اجاگر کرنے پر زور دے رہی ہیں۔ کوئی ہر موقع پر مسلح انقلابی جدوجہد پر زور دیتا ہے تو کوئی ضرورت کے وقت بھی عدم تشدد کا پرچار کرتا ہے۔ کسی کے نزدیک عمامے، ٹوپی اور مسواک کی سنت کے احیاء میں ہی مسلمانوں کی فلاح اور کامیابی کا راز مضمر ہے اور کوئی دین کے محض سیاسی پہلو کے قیام میں ہی مسلمانوں کے تمام مسائل کے حل کی امید لگائے بیٹھا ہے۔

کوئی محض مخالف مسلک کے کسی غلط طرز عمل کے رد عمل کا شکار ہو کر اس کے رد کو ہی دین کا اصل تقاضا گردانتا ہے، تو کسی کے دینی تصور کی معراج یہ ہے کہ وہ محض اغیار و استعمار کی ظالمانہ سرگرمیوں پر رد عمل میں بنائی گئی پالیسی کو ہی اصل خدمت دین سمجھتا ہے۔ حالانکہ دین کا کام تو اسے اس صورت میں بھی کرنا ہے جب امت مسلمہ پر کوئی ایک بھی ظلم کرنے والا موجود نہ ہو۔ اصل دین کو اجاگر کیے بغیر محض رد عمل کی نفسیات کے زیر اثر حکمت عملی ترتیب دینا بھی مسلمانوں کو ان کی منزل مراد سے دور رکھنے کا باعث بنا ہے۔

اگر کوئی دروں بیں ہے تو وہ دین کے ظاہر احکام کی پابندی کرنے والوں کو بالکل روح دین سے خالی قرار دیتا ہے اور اگر کوئی ظاہر بیں ہے تو وہ دین کے علمی و روحانی پہلوؤں کی تحقیر و تخفیف کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

صلاحیتوں کا تنوع اور امت کی ضرورتوں کا تنوع، یہ دو چیزیں اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ دعوت دین و اقامت دین کے لیے ہر فرد اور ہر محاذ اپنی ایک اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کچھ لوگ جہادی سرگرمیوں کی صلاحیت اور مزاج رکھتے ہیں، وہ اپنی صلاحیتوں کے جوہر میدان جہاد میں دکھائیں۔ اور جن کا مزاج تبلیغی یا تعلیمی سرگرمیوں سے مناسبت رکھتا ہے وہ اپنی توجیہات کا مرکز تعلیم و تبلیغ اور تحقیق کو بنائیں۔ جو سیاسی جدوجہد کے ذریعے اقامت دین کا کام کر سکتے ہوں وہ اپنی محنتیں اس کام میں کھپا دیں۔

کسی کا دین کے کسی جزو کی دعوت دینا بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔ قابل اعتراض بات یہ ہے کہ کوئی اپنے جزوی کام کو ہی اسلام کے کلی و اساسی کام کی حیثیت سے پیش کرے اور دوسروں کو حقیر قرار دینا شروع کر دے۔ کسی بھی جزوی کام کرنے والے کو اس بات پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ ساری امت باقی کاموں کو چھوڑ کر اسی جزو کی دعوت دینے لگ جائے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ساری عمر میدان جہاد میں سرگرم رہے۔ لیکن انہوں نے کبھی ابو ہریرہؓ کی تحقیر نہیں کی جو حدیث رسول کی تحصیل اور اشاعت ہی میں ساری عمر مشغول رہے۔ حضرت ابو درداءؓ اور ابو ذر غفاریؓ جیسے صحابہ اپنے درویشانہ مزاج کے باعث دولت و حکومت سے ہمیشہ کنارہ کش رہے لیکن انہوں نے نظام خلافت کی تحقیر کبھی نہیں کی۔ بلکہ دولت و حکومت میں در آنے والی خرابیوں پر تنقید کرتے رہے، جو اس بات کا اظہار تھیں کہ وہ اس کی اصلاح کرنا کتنا ضروری سمجھتے ہیں۔

یقیناً اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہر فرد اپنی افتاد طبع اور مزاج کے مطابق ایسے کاموں کا انتخاب کرے جنہیں وہ پوری تندہی اور دلچسپی سے ادا کر سکتا ہو اور اس میدان میں اچھے نتائج دکھا سکتا ہو۔ کیونکہ کوئی بھی دینی کام جو اس کی طبیعت اور ہمت کے موافق ہوگا وہ اسے ہی اچھی طرح انجام دے سکے گا۔

☆......☆......☆

# تحریکی و تنظیمی تربیت کی ضرورت

## تربیت:

تحریک کے کامیابی کے لیے اہم چیز تربیت ارکان ہے۔کوئی تحریک اور تنظیم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس کے پاس تربیت یافتہ افرادی قوت نہ ہو، جو اس تحریک کو حسن وخوبی سے چلا سکے حتی کہ ایک تجارتی ادارہ اور کمرشل کمپنی بھی اس بات کا محتاج ہے کہ اس کے چلانے کے لیے با صلاحیت افرد موجود ہوں۔تو پھر ایک دینی انقلابی تحریک جو معاشرے میں اصلاح اور تبدیلی رونما کرنا چاہتی ہے وہ بغیر باصلاحیت افراد کے کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے۔تحریک میں نظم جماعت اور تربیت ارکان نہ ہو تو تحریک کامیاب نہ ہوگی اور جب مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہو، تو مطلوبہ انقلاب نہیں آئے گا۔

جماعتیں اور تحریکیں وہ کامیاب اور وہ اپنے اہداف، کامل طریقے پر حاصل کرسکتے ہیں جو منظم ہوں اور نظم تب آتا ہے جس ارکان تربیت یافتہ ہوں۔

چونکہ کسی بھی انقلابی دعوتی واصلاحی تحریک وتنظیم کے لیے سب سے اہم ذریعہ انقلاب اور سرمایہ ارکان ہوتے ہیں۔

هُوَ الذِی اَیَّدَکَ بِنَصرِہٖ وَ بِالمُومِنِینَ

## تربیت کا معنیٰ اور مفہوم:

تربیت کا معنیٰ پرورش کرنا، پالنا اور مہذب بنانا، کمافی القرآن

وَ قُل رَّبِ ارحَمہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِی صَغِیرًا (اسراء)

اور کہہ کہ اے میرے رب میرے والدین پر اس طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری تربیت کی ہے۔

لیکن والدین کی طرف سے اولاد کی تربیت کے مفہوم سے آگے تحریک کے ارکان کی تربیت کا مفہوم قدرے ہمہ گیر ہے۔

اس سے مراد اصلاح افکار واعمال کی ہمہ گیر کوشش جس کے نتیجے میں لوگوں کا اپنے اللہ سے تعلق زیادہ مضبوط ہوتا جائے ان کے ذہنوں پر آخرت کی فکر چھائی چلی جائے۔ایمان میں جلا آتی ہے۔دینی شغف برابر کرتی ہے اور اسلام سے واقفیت بڑھتی ہے،اخلاق کی بلندی،عمل کی صالحیت،سیرت کی پاکیزگی حاصل،دین کی بصیرت،اقامت کا جذبہ،ذوق اور وجدان بنتا جائے۔تحریک کے نصب العین پر اور حقانیت پر یقین حق الیقین سے بدلتا جائے۔تحریکی افکار میں برابر گہرائی اور ایک سوئی آتی جائے اور حق کی خاطر اپنی خواہش،اپنی دل چسپی،اپنے مفادات،اپنے جذبات قربان کرنے کا عزم قوی سے قوی تر ہوتا جائے۔

یہ تربیت کوئی نئی اصطلاح یا کوئی بدعت نہیں بلکہ یہ وہی تزکیہ،اصلاح اور احسان کی جدید اور عام فہم تعبیر ہے۔

عام طور پر جب تزکیہ کا لفظ بولا جائے تو لوگوں کا ذہن صرف چند روحانی کام کرنے،عبادات میں بہتری پیدا کرنے،ذکر اذکار،خشوع،صرف اصلاح باطن،ریاضتوں اور مراقبوں وغیرہ کی طرف جاتا ہے۔

اکثر صوفیاء کے نزدیک بھی تزکیہ نفس صرف انفرادی زندگی میں اپنی ذات کی اصلاح دنیا سے الگ تھلگ رہ کر اللہ اللہ کرنا،بظاہر پاکیزہ زندگی گزارنا ہے،اور یہ انفرادی اور ذاتی اصلاح حاصل کرنے والے کو عارف باللہ کہتے ہیں۔یقیناً یہ تزکیہ کی بہت محدود اور قاصر تعریف ہے۔

عارف باللہ جو دنیا کے رنگینوں میں رہ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کر کے اس ذمہ داریوں کو پوری طرح اللہ کے حکم کے مطابق پوری کرے جس طرح انہوں نے حکم دیا اور جس کا نمونہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی حیات میں ہمیں نظر آتا ہے۔

تصوف اور وظائف کا طریقہ تو نسبتاً آسان طریقہ ہے کہ آدمی ایک گوشے میں بیٹھ جائے،توجہ حاصل کر لے اور اذکار میں مشغول ہو جائے،اپنے نفس کا تزکیہ کرے،اللہ کا قرب حاصل کرے اور اس کی ذات میں فنا ہو جائے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے ربط قائم کر کے،اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ کے

'اعتصام باللہ'' کے ساتھ آدمی عوام اور مخلوق خدا کی طرف رخ کرے، ان کو اپنے مقصد اور نظریے کے پیچھے جمع کرے اور ان کی قوت کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور اس کو استعمال کر کے تاریخ کا رخ بدل ڈالے، یہ کام بڑے عزم وحوصلے اورصبر ومحنت کا طالب ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ صبر اور محنت سے فرار کی راہ ہے تو وہ نہیں سمجھتے کہ دراصل کیا چیز پیش نظر ہے۔ یہ انبیاء کی راہ ہے، بڑے عزم وہمت اور صبر واستقامت کی راہ ہے۔

ہمارا سارا اسلامی لٹریچر جو تزکیہ نفس کے موضوع پر پایا جاتا ہے، اس میں دو چیزوں یعنی ''طریقہ ولایت'' اور ''طریقہ نبوت'' کا ذکر آیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اور سید احمد شہیدؒ نے بھی اپنی تصانیف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ''طریقہ ولایت'' یہ ہے کہ آدمی اپنا تزکیہ کر لے اور کسی گوشے میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کر لے۔ ''طریقہ نبوت'' یہ ہے کہ آدمی مخلوق خدا کے ساتھ رہے اور اس کی اصلاح کرے۔ اس میں یہ نہیں ہوتا کہ آدمی کسی گوشے میں بیٹھا رہے، خوب عبادت کرے اور اللہ کی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ بلاشبہ دین میں ''طریقہ ولایت'' کا اپنا ایک مقام ہے اور یہ بھی بڑی ہمت کا کام ہے لیکن لوگوں میں رچ بس کر رہنا اور پھر اصلاح کی کوشش کرنا، یعنی ''طریقہ نبوت'' اپنانا، بڑا کٹھن کام ہے۔

علامہ اقبالؒ ایک جگہ نقل کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ جو بہت عظیم صوفیا میں سے تھے، انہوں نے کہا کہ محمد عربی ﷺ ساتویں آسمان پر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے اور واپس آ گئے۔ اگر میں وہاں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا۔ یہ لکھ کر علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ نبوت کے مزاج اور تصوف کے مزاج میں دراصل یہی فرق ہے۔ تصوف کا تو منتہا ہی یہی ہے کہ وہ حق میں فنا ہو جائے، اور حق کو پا کر اسی میں گم ہو جائے۔ لیکن نبی تو حق کو پا کر واپس آتا ہے اور تاریخ کے دھارے میں اپنے آپ کو جھونک دیتا ہے۔ تاریخ ساز قوتوں کو اپنی مٹھی میں لے کر پھر ایک نئی دنیا تشکیل دیتا ہے جس سے رہتی دنیا تک انسانیت فائدہ اٹھا سکے۔ یہی فرق ہے ''طریقہ ولایت'' اور ''طریقہ نبوت'' میں۔ لوگ اس کام کو آسان کام سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی شارٹ کٹ یا اقتدار کی ہوس نہیں ہے بلکہ یہ کار انبیاء ہے اور منصب نبوت ﷺ کا تقاضا ہے۔

بہرحال تزکیہ وتربیت کا ایک جامع تصور ہے جس میں قلب، قالب ظاہر وباطن، روح، اخلاق کردار، معاشرہ ومعاملہ، صلاحیت، طریق دعوت واقامت دین اور جماعت وتنظیم کی تربیت واصلاح شامل ہیں لیکن اکثر لوگ صلاحیتوں، استعدادوں کی اصلاح، تنظیمی نظم ونسق کی تربیت اور تزکیہ کو ایک ضمنی بلکہ اس سے باہر چیز سمجھتے ہیں۔

تربیت وتزکیہ کے اقسام: ہمارے نزدیک تزکیہ وتربیت کے کئی اقسام اور کئی میدان ہیں جیسے [۱] اعتقادی اصلاح وتزکیہ۔ [۲] عملی اصلاح۔ [۳] علمی اصلاح۔ [۴] دعوتی وتنظیمی اصلاح وتربیت۔ [۵] معاشرتی وتعلقاتی اصلاح وتزکیہ۔

## تنظیمی اور دعوتی تربیت کی ضرورت

دنیا کا کوئی ادارہ، کارخانہ، بغیر تربیت اور ٹریننگ کے اپنے افراد کو نہیں چھوڑتے بلکہ اپنے مطلوبہ کام کو مدنظر رکھ کر مطلوبہ مقصد کے حصول کے لیے تربیت دیتے ہیں خواہ سکول کا ٹیچر ہو، دفتر کا ملازم، ایک سٹور اور مارکیٹ کا سیل مین ہو۔

اس بناء پر کسی تحریک اور تنظیم میں شامل لوگوں کے لیے اس سے زیادہ اپنی اور اپنے ساتھ چلنے والوں کی تربیت ضروری اور لازمی ہے۔ کیونکہ دنیا میں کام کرنے والوں انسانوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اور مشکل یہ ہوتا ہے کہ تمام لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے نہ ایک ہی فیکٹری کے بنے ہوتے ہیں اور نہ تمام ایک ہی نمبر کے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ان تمام کی مزاج، طبیعت، عقل، وفہم، صلاحیت استعداد ومعلومات وغیرہ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ بلکہ کوئی دو انسان بھی ایک جیسے نہیں ملتے، خواہ دونوں بھائی کیوں نہ ہو حتی کہ ان کے فنگر پرنٹ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

## کیسی تربیت:

جماعت کے مقصد اور اغراض کو مدنظر رکھ کر اصلاح اور تربیت کا طریقہ اختیار کرنا ہوگا۔

اگر حصول علم مقصود ہو تو درسگاہ جانا ہوگا، اہل علم سے علم حاصل کرنا کتب وقلم سے رشتہ جوڑنا ہوگا۔

اگر روحانی ترقی مراد ہو تو مشائخ اہل حق صوفیاء اور صحیح خانقاہوں کی طرف رخ کرنا پڑے گا جہاں ذکر و مراقبے، مجاہدے اور ریاضت میں مشغول ہو کر باطن کو سودھانا ہو گا۔ اگر جنگ لڑ کر جیتنا ہو تو کتاب و قلم اور صرف ذکر و نفس کشی کو چھوڑ کر اسلحہ سیکھنے، ٹریننگ کرنے اور قوت فراہم کرنے سے ہو گا۔ اور اگر دعوتی اور اقامتی میدان میں کام کرنا ہو اور تنظیم چلانا ہو تو اس کے لیے طریقہ، اصول دعوت اور تنظیمی نظم و نسق سمجھنا ہو گا۔

ورنہ اقامت اور تنظیم سے خیر اور فائدے کی بجائے شر، نقصان پیدا ہو گا، ورنہ کم از کم ترقی رک جائے گی۔

☆......☆......☆

# تربیت کیا، کیوں اور کیسے؟

تربیت کے معنی پرورش کرنا، پالنا اور مہذب بنانا ہے۔ والدین کے لیے قرآنی دعا کے الفاظ بھی تربیت کا یہی مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں:

وَ قُل رَّبِّ ارْحَمهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا . [بنی اسرائیل ۱۷: ۲۴]

اور دعا کیا کرو کہ پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

والدین کی طرف سے اولاد کی تربیت کے مفہوم سے آگے تحریک کا اپنے وابستگان کی تربیت کا مفہوم قدرے ہمہ گیر ہے۔ اس سے مراد اصلاح افکار و اعمال کی وہ ہمہ گیر کوششیں ہیں جن کے نتیجے میں لوگوں کا اپنے خدا سے تعلق زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتا جائے۔ ان کے ذہنوں پر آخرت کی فکر چھاتی چلی جائے، ان کے ایمان میں جلا آتی رہے، ان کا دینی شغف برابر ترقی کرتا اور اسلام سے ان کی واقفیت برابر بڑھتی رہے، ان کے اخلاق کی بلندی، عمل کی صالحیت اور سیرت کی پاکیزگی امتیاز کا درجہ حاصل کرتی جائے۔ دین کی بصیرت اور اقامت کا جذبہ، ان کا ذوق اور وجدان بنتا جائے۔ تحریک کے نصب العین پر اور اس کی حقانیت پر ان کا یقین، حق الیقین سے بدلتا جائے۔ ان کے تحریکی افکار میں، برابر گہرائی اور ایک سوئی آتی جائے اور حق کی خاطر اپنی خواہش، اپنی دلچسپیوں، اپنے مفادات اور اپنے جذبات قربان کرنے کا عزم قوی سے قوی تر ہوتا جائے

## تحریکی تربیت کا خاکہ:

ایک اسلام تحریک اپنے وابستگان کی تربیت ایک منصوبے کے تحت کرنے کا اہتمام کرتی ہے۔ اس نے ان کے لیے ان کی ہمہ جہت تربیت کا جو خاکہ تیار کیا ہے اس کے بموجب انہیں تاکید کی گئی ہے کہ وہ درج ذیل امور کا اہتمام کریں:

فرض و واجب عبادات کی، ان کی ظاہری و باطنی محاسن کے ساتھ ادائیگی، کتاب اللہ کی تلاوت

اور اس کا فہم، حدیث پاک، سیرت طیبہ، سیرت صحابہؓ وصحابیاتؓ اور دینی وتحریکی لٹریچر کا مطالعہ، اذکار مسنونہ کا التزام، نفل نمازوں بالخصوص تہجد اور نفل روزوں کا حسب استطاعت اہتمام، انفاق فی سبیل اللہ، اوامر کی پوری پابندی اور نواہی سے کلی اجتناب، روزمرہ کے کاموں اور مصروفیات کا احتساب اور توبہ واستغفار، خدا سے اپنے تعلق کا خاص اس پہلو سے جائزہ کہ اخلاص ورضا طلبی، خوف وخشیت، صبر وشکر، مجاہدہ واستقامت، محبت وتوکل اور توبہ وانابت کی کیا کیفیت ہے، اپنے اخلاق ومعاملات کی اصلاح ودرستی، دعوت وتحریک کے کاموں میں سرگرمی، دین کی راہ میں ایثار وقربانی اور نظم جماعت کی پابندی، نصب العین کے حق ہونے پر کامل یقین، اس کے ساتھ گہری وابستگی، حکمت ودانائی اور لگن کے ساتھ تحریک کے لیے عملی جدوجہد، اجتماعیت کی اہمیت کا شعور، مل جل کر جدوجہد کرنے کا ملکہ، اجتماعی فیصلوں کا احترام وتعمیل، سمع وطاعت اور اطاعت فی المعروف کا التزام، فکری ہم آہنگی، نصح وخیر خواہی، اخوت ومحبت، ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ، مامورین کے ساتھ ذمہ داروں کا مشفقانہ رویہ اور اجتماعی امور میں ان سے صلاح ومشورہ نیز دیگر مشورہ میں احتیاط اور حدود کا پاس ولحاظ، زبان پر قابو، دل سوزی وشفقت کے ساتھ موعظت ونصیحت، تواصی بالحق، تواصی بالصبر اور تواصی بالمرحمہ، انفرادی واجتماعی تمام حالات ومعاملات میں تقویٰ واحسان کی روش، ریا ونمود اور کبر نفس سے اجتناب اور اخلاص وللہیت۔

## تحریکی تربیت کا نظام:

یہ خاکہ انفرادی تربیت کا ایک بہترین بیان ہے، جس پر عمل درآمد کے مطلوبہ معیار کے حصول کے لیے ابتدائی سطح سے لے کر حلقہ ومرکز کے ذمہ دار کوشاں رہتے ہیں کہ فرد اپنی توجہات، استعداد وصلاحیت، اوقات، سرمایہ وقوت ان امور پر عمل درآمد میں صرف کرتا رہے۔ اس کے لیے مطالعہ وعبادات کا اہتمام، اجتماعات، مطبوعات، دینی ورفاہی سرگرمیوں اور مہمات، جائزہ واحتساب کی نشستوں اور اجتماعی اصلاح وتربیت کے مختلف پروگراموں کا اہتمام کیا جائے۔

ایک ذمہ دار وباشعور فرد اپنی اصلاح وتربیت پر متوجہ رہ کر بھی اجتماعی ماحول ومسائل کا ضرورت

مند رہتا ہے۔ دین میں فرض عبادت کا جو نظم ہے اور طرز معاشرت کے ضمن میں فرد، خاندان اور معاشرے کو جو ہدایات دی گئی اور مجموعی طور پر ملک کے سماج و ریاست کے احوال و کوائف کا جو اثر ہماری روزمرہ زندگی پر پڑتا رہتا ہے، اس کو کسی خودکار نظام کے ذریعے اپنی اصلاح و تربیت کرتے رہنے پر کاربند نہیں رکھا جا سکتا، جب تک اس مقصد کے لیے ایک سرگرم و جان دار تحریک برپا نہ کی جائے، ہر سطح پر ایک باشعور و باحکمت قیادت اس کی پشت پر نہ ہو اور ایک ہمہ گیر اصلاح و تربیت کا باقاعدہ پروگرام جاری و ساری نہ ہو۔

## تحریکی تربیت کے تین بنیادی عناصر ہیں:

۱۔ باشعور و ذمہ دار افراد ۲۔ حکیمانہ قیادت بطور مربی ۳۔ سرگرم و جان دار تحریک

### [ا] باشعور و ذمہ دار افراد:

جہاں تک وابستگان تحریک کا معاملہ ہے وہ باشعور و ذمہ دار گروہ کے طور پر اسی وقت ابھر سکتے ہیں جب وہ ایمانی عزیمت، اخلاقی طاقت، فکری اصابت، ذہنی یک سوئی، عملی حسن، دینی شغف اور تحریکی جوش و جذبے کا پیکر ہوں، اور ان کی اجتماعی قوت تحریک کے لیے، وہ حقیقی سرمایہ فراہم کرے جس کے بل بوتے پر وہ اپنی مشکل اور صبر آزما جدوجہد کو کامیابی سے ہم کنار کر سکے۔ اس تحریکی قوت کے عناصر ترکیبی کا احاطہ درج ذیل سات عنوانات کے تحت کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ایمانی عزیمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وابستگان تحریک اپنے اندر شیر جیسا دل پیدا کریں، طوفانی دھاروں کے رخ پر تیرنا سیکھیں، ہر طرح کی چوٹ کھانے اور ہر مفاد کی قربانی دینے کے لیے تیار رہیں، ابتدائی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیے جانے کے متوقع رہیں۔ صرف غیروں ہی کی نہیں خود اپنوں، کی شدید ترین مخالفتوں سے سابقہ پیش آنے کو یقینی سمجھیں اور ان سے کامیاب پنجہ آزمائی کا اپنے اندر عزم و حوصلہ رکھیں۔

۲۔ اخلاقی طاقت کا یہ مطالبہ ہے کہ وابستگان تحریک کی سیرت بے داغ ہو، ان کے اخلاق میں دلوں

کو جیت لینے والی کشش موجود ہو، وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرنا جانتے ہوں اور اپنے قول ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی دین کی سچی شہادت دے رہے ہوں۔

۳۔ فکری اصابت کا مطلب یہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلام کے عقیدے اور امت مسلمہ کے نصب العین کی جو تشریح تحریکی لٹریچر میں کی گئی ہے اور حصول نصب العین کے لیے جو اصولی ہدایات تحریک نے اپنے وابستگان کو دی ہیں، ان کے سلسلے میں ان کے صفوں میں کامل فکری پختگی پائی جاتی ہو۔

۴۔ ذہنی یک سوئی کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی دعوت کے برحق ہونے اور اسلام کے کامل نظام زندگی ہونے پر وابستگان تحریک نہ صرف پوری طرح مطمئن ہوں بلکہ اس کی صداقت وحقانیت کا بھرپور مظاہرہ ان کی زندگیوں سے مل رہا ہو اور بندگان خدا کو بھی وہ اپنی قابلیت وصلاحیت کے مطابق مطمئن کرنے کے قابل ہوں۔طریق کار کے پرامن دستوری وقانونی پہلوؤں پر وہ اس قدر یقین واذعان کے حامل ہوں کہ زمانے کا فساد اور فتنہ پروری ان کو اپنی راہ اعتدال سے سرمو انحراف کرنے پر قائل نہ کر سکے۔

۵۔ عملی حسن کا تقاضا یہ ہے کہ وابستگان تحریک سراپا موعظت ونصیحت اور پیکر رحمت بن جائیں۔اسلامی احکام وہدایات اور شرعی اصولوں وضابطوں پر نہ صرف وہ کاربند ہوں بلکہ ان کی حقانیت کو وہ زمانے سے منوانے پر قادر بھی ہوں۔

۶۔ دینی شغف کا مطلب یہ ہے کہ وابستگان تحریک اپنے قول وعمل میں دینی حکمت ودانائی اور راہ اعتدال کا عملی نمونہ پیش کریں۔ان کے رہن سہن، چلن، برتاؤ، وضع وقطع اور اشغال ومصروفیات سے اعمال حسنہ واذکار مسنونہ کا مظاہرہ ہو۔ان کی سماجی مصروفیات اور مذہبی سرگرمیوں میں کامل ہم آہنگی ہو اور موجودہ خدا فراموش ماحول میں نفس کے دباؤ شیطان کی وسوسہ اندازی اور سماجی ناسازگاریوں کے درمیان وہ مومن صالح کا کردار ادا کر سکیں۔

۷۔ تحریکی جوش وجذبہ کا مطلب یہ ہے کہ وابستگان تحریک اس کے رنگ میں پوری طرح رنگ جائیں اور ان کا ایمان، اخلاق، طرز عمل، طرز فکر، ہر شے ایسی بن جائے جیسی ایک سچے مومن اور

مخلص داعی حق کی ہونی چاہیے اور تحریکی جدوجہد میں وہ شب و روز مشغول رہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، گھریلو و خاندانی زندگی، ان کی معاشی سرگرمیاں اور ان کی شہری ذمہ داریاں سب کچھ تحریکی اہداف کے تابع ہو کر رہ جائیں۔

## قیادت بطور مربی:

تحریک کا یہ ذمہ دار اور باشعور فرد کسی گوشہ تنہائی میں تیار نہیں ہو سکتا نہ از خود اپنے کردار کے ارتقائی منازل طے کر سکتا ہے، بلکہ تحریک کے تربیتی نظام میں ایک فعال و کارآمد عنصر اور آمادہ عمل کارکن بننے کے لیے چند دیگر عوامل کی معاونت، شراکت اور حصہ داری بھی ضروری ہے۔ ایک طرف اس کا شعور بیدار اور کاموں میں اس کا عملی حصہ و سرگرمی شامل حال رہتی ہے تو دوسری طرف اس نظام کے کارپردازوں اور مربیوں کا بھی اہم رول ہے۔ یہیں سے تحریکی تربیت کے دوسرے حصے، یعنی حکیمانہ قیادت بطور مربی کا بیان شروع ہوتا ہے۔

تحریکی قیادت کا مقام، رہنما اور مربی کا ہے۔ وہ منصوبہ بندی افراد و وسائل کی تنظیم و تربیت اور انہیں مقاصد کے حصول میں باوقار طریقوں سے زیر استعمال لانے، مہمات میں رہنمائی و سبقت کا فرض نبھانے، کارکنوں کو مہمیز دینے، عواقب عمل کو سہنے کی استطاعت پیدا کرنے، صلاحیت و استعداد کی نشوونما کرنے، اعمال کا تزکیہ اور احتساب کرنے کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔

## بھرپور تحریک اور سازگار تحریکی ماحول:

تحریکی تربیت کا تیسرا عنصر ایک بامقصد، سرگرم و جان دار تحریک کا برپا کرنا ہے۔ تحریک، اصلاً سرگرمی، روشنی و حرارت سے ہی عبارت ہے اور تحریکی ماحول ہی دراصل وابستگان تحریک کی جولاں گاہ فکر و عمل، جدوجہد و کاوش کا میدان اور سرگرمی و جاں فشانی کا کارگاہ ہے۔ تحریک جو میدان عمل دعوتی جدوجہد اور اجتماعی سرگرمی کے عنوان سے فراہم کرتی ہے اور وہ وابستگان کی تربیت کا بہترین وسیلہ ہے۔

تربیت کے اس فطری کورس کی مدد پر تین چیزیں اور تھیں جوان کی کسر پوری کرنے والی تھیں

[۱] دعوت و تبلیغ ۔ [۲] نظام جماعت، اور [۳] روح تنقید۔

☆ دعوت و تبلیغ: دعوت و تبلیغ کا صرف یہی ایک فائدہ نہیں ہے کہ آدمی دوسروں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیتا ہے جو اس کی عاقبت کے لیے مفید ہے، بلکہ اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی کی اپنی اصلاح بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔ تبلیغ حق کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس میں مشغول ہو اس کی اپنی ذات پر وہ حق خود بخود طاری ہوتا چلا جاتا ہے جس کی تبلیغ میں وہ سرگرم ہوتا ہے۔ اس کا چرچا کرنے، اس کی اشاعت کی راہیں تلاش کرنے، اس کی تائید میں دلائل ڈھونڈنے اور اس کی راہ کی رکاوٹیں دور کرنے کی فکر جتنی زیادہ اس کو لاحق ہوتی ہے اسی قدر زیادہ وہ اس میں مستغرق ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی خاطر جب وہ طرح طرح کی مزاحمتوں کا مقابلہ کرتا ہے، گالیاں سنتا ہے، طعنے سہتا ہے، الزامات اور اعتراضات برداشت کرتا ہے اور بسا اوقات چوٹیں کھاتا ہے اور ستایا جاتا ہے تو یہ ساری تکلیفیں حق کے ساتھ اس کے عشق کو اور زیادہ بڑھاتی چلی جاتی ہیں۔

اس سے مراد وہ عملی تربیت ہے جو انہیں دعوتی جدوجہد کے میدان میں آپ سے آپ حاصل ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ جب وہ حق کی شہادت دینے اور اللہ کے دین کی تبلیغ و اقامت کا فریضہ انجام دینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں تو قدرتی طور پر خود ان کی اصلاح و تربیت کے بھی کتنے ہی قوی اسباب آپ سے آپ حرکت میں آجاتے ہیں۔ مثلاً جس وقت کوئی شخص دوسروں کو خدا پرستی کی دعوت دے رہا ہو اور ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی تلقین کر رہا ہوتا ہے اس وقت اندر سے اس کا ضمیر بھی اسے آواز دیتا ہے اور باہر کی دنیا بھی اس پر تیز نگاہیں ڈال کر پوچھنے لگتی ہے کہ اس بارے میں خود تمہارا اپنا کیا حال ہے؟ جس حق کی دعوت تم دوسروں کو دے رہے ہو اس کے لذت شناس تم خود بھی ہو یا نہیں؟ اگر انسان بالکل ہی بے حس نہ ہو تو ہر طرف سے آنے والی ان تنقیدی آوازوں پر لازماً وہ چونک اٹھتا ہے اور اپنی طرف متوجہ ہو کر اپنے ایمان و عمل کے کھوٹ کو ایک زبردست احساس ندامت کے ساتھ صاف کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اس دعوت کے سلسلے میں مخالفتوں، عداوتوں اور مصیبتوں سے

مسلسل دوچار ہوتا ہے تو اس بھٹی میں تپ کر اس کا ایمان اور کھرا بن جاتا ہے اور محض اللہ کے دین کی خاطر کام کرنے کے جرم میں جب دنیا اس کو اپنے تمام سہاروں سے محروم کردیتی ہے تو وہ فطری طور پر اپنے پروردگار کی طرف بھاگتا اور اس کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کے اندر اپنے خدا سے تعلق اور اس پر توکل اور بڑھ جاتا ہے۔ نیز جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے پیغام حیات کو بہرے کانوں سے سن رہے ہیں اور ہلاکت کی راہوں سے پلٹنے کا نام تک نہیں لیتے تو اس کا داعیانہ جوش سرد پڑنے کے بجائے اور زیادہ بھڑک اٹھتا ہے، اور فلاح ونجات کی شاہراہ کی طرف ان کا رخ موڑ دینے کے لیے وہ اور زیادہ سرگرم ہوتا رہتا ہے۔ غرض ایک داعی حق کی دعوتی جدوجہد اس کی مختلف پہلوؤں سے بہترین مربی ثابت ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اخلاص وصداقت ہی سے بے بہرہ اور صرف نام کا داعی ہو۔ ایسا شخص تو نہ صرف یہ کہ اپنی دعوتی جدوجہد سے کوئی ایمانی یا عملی قوت نہ حاصل کر سکے گا بلکہ اپنے کو بے نقاب کر کے میدان عمل سے بھاگ بھی کھڑا ہوگا لیکن ظاہر ہے کہ یہاں گفتگو مخلص اور راست باز انسانوں کی ہو رہی ہے نمائشی لوگوں کی نہیں ہو رہی ہے۔

میدان عمل سے تربیتی فوائد حاصل کرنے کے لیے فرد کا اپنے مقصد حیات میں مخلص اور دعوتی جدوجہد میں مصروف ہونا لازمی ہے اور اس پہلو سے فرد کے ساتھ اجتماعیت اور قیادت کے ملحوظہ فرائض سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی۔ جس سماج میں مخلص، باشعور اور سرگرم عمل افراد ہوں، اور اس میں فرد کو معیار مطلوب تک لے جانے کی مسلسل سعی کرنے والی قیادت اور تحریکی سرگرمیوں کا ماحول ملے، اس سماج میں تحریک اسلامی کا مرد مومن، اپنی پوری شان سے جلوہ نما نہیں ہوگا تو کہاں ہوگا۔

☆ **نظم جماعت:** نظم جماعت کے لیے ہم نے اول روز سے جو بات لوگوں کے ذہن نشین کی وہ یہ تھی کہ اس جماعت میں وہی شخص داخل ہو جو اس کو جانچ پرکھ کر پہلے اچھی طرح اس بات کا اطمینان کر لے کہ یہ جماعت فی الواقع دعوت دین واقامت دین کے لیے قائم ہوئی ہے اور اس کی دعوت، طریق کار اور اصول تنظیم وہی ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق اقامت دین کی سعی کرنے والی ایک جماعت

کے ہونے چاہئیں اور پھر اس کے لیے ایک نظم میں اور جماعت کے تحت کام کرنا ناگزیر ہے۔

☆ روح تنقید:

جماعت کی اندرونی خرابیوں کی اصلاح اور اس کے کارکنوں کی تربیت اور تکمیل کے لیے تیسری اہم چیز جس سے ہم نے مدد لی وہ یہ تھی کہ اول روز سے ہم نے جماعت کے اندر روح تنقید کو بیدار رکھنے کی کوشش کی۔ تنقید ہی وہ چیز ہے جو ہر خرابی کی بروقت نشان دہی کرتی اور اس کی اصلاح کا احساس پیدا کرتی ہے۔ جماعت کے ہر شخص کو محض تنقید کا حق ہی حاصل نہیں ہے بلکہ یہ اس کا فرض ہے کہ کسی خرابی کو محسوس کر کے خاموش نہ رہ جائے۔ یہ بات ہر رکن جماعت کے اجتماعی فرائض میں داخل ہے کہ اپنے ساتھی ارکان کی ذات میں یا ان کے جماعتی کردار میں، یا اپنی جماعت کے نظم میں، یا جماعت کے لیڈروں میں اگر وہ کوئی نقص پائے تو اسے بلا تکلف بیان کرے اور اصلاح کی دعوت دے اسی کا یہ فائدہ ہے کہ جماعت کا ہر فرد پوری جماعت کی تربیت اور تکمیل میں مدد دے رہا ہے اور اپنی تکمیل و تربیت میں اس سے مدد پا رہا ہے۔

اسلام میں تربیت کی اہمیت اور نظام:

شریعت اسلامیہ میں تربیت کو ایک بہت ہی اہم مقام حاصل ہے اور اس نے قرآن و سنت کے مطابق اس تربیت کی ذمہ داری فرد خاندان، جماعت و معاشرہ اور حکومت پر ہر ایک کی استطاعت اور حیثیت و مقام کے اعتبار سے ڈالی ہے۔

فرد پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود پابند شریعت ہو اور اپنے افراد خاندان کو بھی پابند شریعت بنانے کی کوشش کرے۔ وہ خود پنج گانہ نماز کا پابند ہو اور اپنے افراد خاندان کو بھی پابند بنائے۔ وہ اپنی ملاقاتوں میں لوگوں کو نماز و دیگر عبادات کی پابندی اور ان کی صحیح روح کے ساتھ ادائیگی کی طرف متوجہ کرے، وہ مسلمانوں کو اپنے اپنے محلوں میں یا قریبی مساجد میں جماعت کیساتھ نماز کی ادائیگی پر راغب کرے، وہ مسلمانوں کے باہمی رویے و تعلقات، شادی بیاہ کے معاملات، مالی لین دین اور دیگر معاشرتی روابط

میں غیر اسلامی طریقوں کو ترک کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلائے۔ وہ اسلامی عقائد و تعلیمات سے خود بھی واقف ہونے کی کوشش کرے، قرآن و سنت کے علم کے حصول کے لیے خود بھی کوشاں ہو اور اپنی معلومات سے دوسرے برادران ملک کو بھی آگاہ کرے۔

خاندان اپنے لیے اسلامی ماحول کو پسند کرنے والا ہو، جہاں ہر فرد روزانہ پابندی کے ساتھ تلاوت کلام پاک اور نمازوں کی ادائیگی پر کمربستہ رہتا ہو۔ باہمی حقوق و فرائض کو حسن وخوبی سے ادا کرنے اور نیکیوں کی تلقین و برائیوں سے پرہیز کرنے میں ایکدوسرے پر سبقت لے جاتا ہو، جہاں لہو لعب ولغویات کا گزر نہ ہو، جہاں مشورہ اور نصیحت کو معمولات زندگی کا مقام حاصل ہو اور جہاں مصیبتوں پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرنے کا رواج ہو۔

جماعت و معاشرے کی ذمہ داری یہ ہے کہ جو امور فرد اور خاندان اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق شریعت کی روشنی میں محدود پیمانے پر ادا کرتے یا انجام دیتے ہیں، جماعت و معاشرہ ان کے لیے مناسب ماحول اخلاقی و اجتماعی اثر و دباؤ سہولتیں وسائل و ذرائع تعلیم و تربیت کے مواقع اور تعلقات کی اصلاح و تنظیم، حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین باز پرس اور احتساب کا نظام اور تذکیرہ یاددہانی کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔

حکومت اپنے وسائل و ذرائع، حقوق و اختیارات اور قوت نفاذ و اطاعت کے قانونی و دستوری جواز کے لحاظ سے افراد و معاشرہ اور جماعت پر سبقت رکھتی ہے۔ عصر حاضر کی جمہوری حکومت چونکہ افراد کے اجتماعی ارادے کا ہی مظہر ہوتی ہے، اس لیے فی الوقت صرف اس قدر یہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے کہ اپنے اجتماعی ارادے کے ذریعے ہم اس سے استفادے کی کیا مناسب صورتیں تجویز کرتے ہیں اور کیا مطالبات منوانے کی کوشش کریں جس سے فرد اور معاشرے کو شریعت اسلامیہ کے مطابق ڈھالنے میں مدد لیں۔

تحریک اسلامی خود جو فرد کے ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کے اسلامی پروگرام پر عمل پیرا

ہے، وہ اپنے کارکنوں کی ذہنی وفکری، علمی وعملی اور دینی واخلاقی ہمہ جہتی تربیت اور اپنے داخلی استحکام کی طرف متوجہ رہتی ہے اور اپنے مختلف تربیتی پروگراموں کے ذریعے اس بات کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور وہ اپنی پوری زندگی میں اسلام کے سچے پیرو، اقامت دین کے لیے سرگرم عمل، راہ حق میں ایثار وقربانی اور صبر واستقامت کا مظہر اور نظم واجتماعیت کے پہلو سے بنیان مرصوص بن جائیں۔ البتہ یہ سوال اپنی جگہ قابل غور ہے کہ تحریک اسلامی اپنے اہداف کے حصول میں کس حد تک کامیاب رہی، اور معیار مطلوب کے حصول کے لیے مزید کن اقدامات کی ضرورت ہے!

☆......☆......☆

# تربیت

## اپنی اور دوسروں کی

ہمارے کام کی کامیابی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی تائید پر ہے۔ یہ تائید دو صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ایک، اس کی نصرت جو دلوں کا اطمینان، قدموں کا ثبات اور ملائکہ کی رفاقت اور بہت سی صورتوں میں کام کرنے والوں کی مدد کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے مومنین کی ایک ایسی جماعت کی صورت میں جن کے دل آپس میں جڑے ہوں، جو اللہ کی رضا کے طلب گار ہوں اور صرف اس کی رضا تلاش کرتے ہوں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَاناً (الفتح ۴۸:۲۹) اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحمت کا مجسمہ ہوں گے۔ رُحَمَاءُ بَيْنَهُم (الفتح ۴۸:۲۹) آپس میں رحیم ہیں۔ ان کی زندگی، چہروں اور افعال سے اللہ کی بندگی کے آثار ظاہر ہوتے ہوں گے۔ سِيمَاهُم فِي وُجُوهِهِم مِن أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح ۴۸:۲۹) سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں، جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

ایسی ہی جماعت کامیابی کے حصول کا وسیلہ بنتی ہے جیسا کہ سورۃ الانفال میں فرمایا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَ بِالْمُؤْمِنِينَ (الانفال ۸:۶۲)

وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمہاری تائید کی۔

ایک اسلامی تحریک ان ہی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ لہٰذا جو بھی راہ حق کو اپنائے اس کا جہاں ایک طرف یہ کام ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان خصوصیات کی روشنی میں اس کام کے لیے بہتر سے بہتر بنائے اور اپنے کام کو بہتر سے بہتر طریقے سے کرے، وہاں اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ چل رہے ہوں، خواہ وہ ساتھ ہوں، نیچے ہوں یا اوپر، وہ ان کو بھی بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

یہ ذمہ داری ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ ہر سطح کا فرد، یعنی ایک عام کارکن بھی اس ذمہ داری میں شریک ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے ساتھیوں کی تربیت کی فکر کرے اور جن تک وہ دعوت پہنچا رہا ہے ان کی تربیت کی بھی فکر کرے، اور جو آدمی سب سے اونچے منصب پر ہو اس کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو ذاتی فریضہ سمجھے کہ لوگ بہتر بن سکیں اور ان کے پاس بہتر بننے کے مواقع ہوں۔

کسی اجتماعی تحریک کا سب سے اہم وسیلہ بلکہ صحیح معنوں میں واحد وسیلہ، سرمایہ اور اثاثہ انسان ہوتے ہوں۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ ویسے بھی تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ مال، جگہ اور مادی وسائل کی کمی کی تلافی ہو سکتی ہے اور ان کے بغیر بھی بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر انسان کمزور ہوں یا نہ ہوں تو اس کی تلافی مشکل سے ہوتی ہے۔

مشکل یہ ہے کہ انسان بنے بنائے نہیں آتے کہ سب مطلوبہ سائز اور شکل وصورت کے مل جائیں اور نہ کوئی ایسی مشینیں ہی پائی جاتی ہیں کہ جن پر انسانوں کو چڑھا دیا جائے اور سب ایک سانچے اور معیار کے ڈھل کر نکل آئیں، یا جوتے کی فیکٹری کی طرح کہ ایک طرف سے فرد کو مشین میں ڈالا جائے اور دوسری طرف سے جس سائز، جس طرز اور جس نمونے کا فرد چاہیے وہ نکل آئے۔ ہر انسان انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔ شخصیت، ذہن، نفسیات، معاشرت، خاندان اور عادات۔ یہ تو الگ بات ہے، ہر انسان کی انگلی کی لکیریں تک ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، کوئی دو انسان اس لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دو مختلف انسانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کی کوشش کرنا بھی مناسب نہیں۔ ہر انسان ایک الگ شخصیت کا حامل ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا تنوع ہے۔ کسی مشین سے چیزیں بنانا تخلیق نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود ہی اشارہ کیا ہے کہ نہ صرف انسان بلکہ ہر چیز میں تنوع پایا جاتا ہے۔

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ۔[الرعد ۱۳ : ۴]

اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔

زمین کے ٹکڑے مختلف ہوتے ہیں، ہر پھل نئی شکل، نئی صورت اور نئے ذائقے کا ہوتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ خالق کی کائنات ہے نہ کہ کسی مشین کی، جو ایک ہی قسم کی چیزیں بنا بنا کر نکالتی ہے۔

اس لحاظ سے اگر انسان مختلف بھی ہوں اور منفرد بھی، اور بنے بنائے بھی نہیں ملتے ہوں اور ضرورت کے مطابق بنانا بھی ضروری ہو تو پھر یہ ناگزیر ہے کہ ان کو بنانے کے لیے، ان کی نشوونما اور تربیت کے لیے کوئی نظام بنایا جائے، اور کوشش کی جائے کہ جو لوگ بھی ہمارے ساتھ ہیں، ہم تزکیہ و تربیت کے ذریعے ان کو صحیح انسان بنانے کی کوشش کریں۔

## تحریک کو مطلوب انسان:

سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسا انسان مطلوب ہے؟ اس بات کو مختصراً دہرانے کی ضرورت ہے تاکہ موضوع کی بنیاد بھی واضح ہو سکے اور بات سمجھنا آسان ہو جائے۔ ہمیں ایسا انسان درکار ہے جو ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے مطلوب ہو۔ یہ بات میں ایک بار پھر دہراؤں گا کہ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ جنت کا مستحق ٹھہر سکے۔ گویا کہ اس کی نیت اور عمل ایسے سانچے میں ڈھلے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہو۔ تزکیے کے حوالے سے یہ پہلی ذمہ داری ہے۔ اگر یہی ذمہ داری پوری نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ تحریک موجود تو ہو گی اور وہ کچھ اجتماعی اور سیاسی مقاصد بھی حاصل کر سکے گی لیکن وہ ایک اسلامی تحریک نہیں ہو گی۔

اس کے بعد پھر ہمارے سامنے کچھ مقاصد طویل نوعیت کے ہوں گے اور اس میں ہمیں حکمت عملی کے مطابق اپنے کارکنان اور انسان تیار کرنا ہوں گے۔ اگر انہیں لڑنا ہے تو انہیں فوجی تربیت دینا ہو گی۔ اگر کچھ اور کام کرنا ہے تو اس کے لحاظ سے انسان بنانا ہوں گے۔ اسی طرح کچھ کثیر المقاصد کام ہوں گے، ان کے پیش نظر حکمت عملی اپنانا ہو گی، مثلاً ہمیں اپنے کاموں کے پیش نظر کچھ مقرر درکار ہوں گے، رسالہ نکالنا ہے تو لکھنے والے چاہیے ہوں گے، یہ ہماری فوری ضروریات ہوں گی۔ ان سب کو سامنے رکھ کر ہمیں انسانوں کی نشوونما، ان کے ارتقا و ترقی اور تربیت و تزکیہ کی فکر کرنا ہو گی۔ گویا کہ جہاد کے لیے جو مطلوبہ روحانی و اخلاقی صفات ہیں وہ بھی اور جہاد کی کامیابی کے لیے جو مطلوبہ دنیاوی

صفات وصلاحیتیں ہیں وہ بھی، دونوں ہی ہمارے پیش نظر رہنی چاہئیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اگر غائب ہوگی تو کسی ایک کا نقصان ہوگا۔ آخرت کا اگر نقصان ہوگا تو اس نقصان کی کوئی تلافی نہیں ہے۔ اس لیے اس کی فکر بڑی اہم اور ضروری ہے۔ اگر دنیا کا نقصان ہوگا تو دنیا کی کامیابی ہاتھ سے جائے گی لیکن بہر حال اس کی تلافی کسی طرح ہوسکتی ہے۔

دو باتیں جو بہت اہم ہیں، ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہئیں:

پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی تحریک کے ہر کام میں اصل چیز جو پیش نظر رہے گی وہ آخرت ہے۔ اگر علم ہے تو وہ برائے علم نہیں ہے۔ اگر تزکیہ و روحانیت ہے تو برائے روحانیت نہیں ہے۔ اگر ذکر ہے تو برائے ذکر نہیں ہے۔ اگر سیاست ہے تو برائے سیاست نہیں ہے۔ اگر نعرے لگانے والے لوگ چاہئیں تو محض نعرے لگانے والے لوگ درکار نہیں ہیں، بلکہ اس سب کے سب کو اس اصل مقصد کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو ہمارے پیش نظر ہے۔ ان میں سے کوئی کام بھی اپنی جگہ غلط نہیں ہے۔ اگر علم مقصود ہوتا تو ہم مدرسے قائم کرتے، اگر تزکیہ و ذکر مقصود ہوتا تو ہم خانقاہیں قائم کرتے لیکن ہم نے جہاد کے لیے تحریک قائم کی ہے۔

اگر ہمارے تیار کردہ انسان تحریک کے مقاصد ہی پورے نہ کریں بلکہ ہم صرف عالم بنالیں، صوفی بنالیں اور نعرہ باز سیاست دان بنالیں تو اس سے ہمارے مطلوبہ مقاصد پورے نہیں ہوسکیں گے۔ یہ تب پورے ہوں گے جب سب کا سب کام اسی اصل مقصد کے حول کا ذریعہ بنے، یعنی اللہ کی رضا و خوشنودی اور جنت کو جہاد کے ذریعے حاصل کرنا۔ جنت کے حصول کے اور بھی راستے ہیں اور ممکن ہے کہ ہوں، اور لوگوں کو معلوم بھی ہوں لیکن ہمارا دل جس راستے پر جم گیا ہے، ٹھک گیا ہے، مطمئن ہوگیا ہے، وہ راستہ جہاد کا راستہ ہے، اللہ کی راہ میں کوشش کا راستہ ہے، اس کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کا راستہ ہے۔ اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور پورے دین کو غالب کرنے کا راستہ ہے۔ اس لیے انسانوں کی ایسی نشونما، ترقی اور ارتقاء مطلوب ہے جو ہمارے ان مقاصد کو پورا کریں۔

## تربیت کے بنیادی اصول:

اس سوال کے بعد کہ ہمیں کیسا انسان مطلوب ہے، تربیت کے چند بنیادی اصول پیش خدمت ہیں۔ تربیت سے مراد محض اپنی تربیت ہی نہیں ہے بلکہ اجتماعی تربیت ہے جو ہم سب مل کر ایک دوسرے کی کریں یا جو ذمہ دار ہو وہ اپنے ساتھیوں کی کرنے کی کوشش کرے۔

## اپنی تربیت آپ:

پہلا اصول یہ ہے کہ ہر فرد خود ہی اپنی تربیت کر سکتا ہے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو فرد اپنی تربیت کی ذمہ داری خود قبول نہ کرے، کوئی لیڈر، کوئی تنظیم اور کوئی پروگرام اس کی تربیت نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ارادے اور عمل کی ذمہ داری انسان پر ہے۔ ارادہ اور سعی اصل چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ انسان کو پرکھے گا۔ اس کے بعد پھر اسے اپنے انعام واجر یا عذاب وسزا کا مستحق ٹھہرائے گا۔ ایک آدمی کی سعی وارادے کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا، یہ اسے خود ہی اٹھانا ہے۔ کوئی دوسرا اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اس سے کوئی مفر نہیں ہے۔

## تنظیم وذمہ داران کا دائرہ کار:

دوسرا اصول یہ ہے کہ تنظیم اور قیادت کی بھی تربیت کی ایک ذمہ داری ہے اور اس کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے، تاہم یہ واضح طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ذمہ داری اور دائرہ کار کیا ہے؟

فرد کو اپنی ساری خرابیوں، خامیوں اور بھلائیوں کا ذمہ دار قائدین یا تنظیم کو نہیں ٹھہرانا چاہیے بلکہ خود کو ہی ذمہ دار قرار دینا چاہیے۔ خود کو ذمہ دار ٹھہرانے کے بعد ہی ایک شخص اپنی اصلاح وتربیت کرے گا اور جماعتی پروگراموں سے بھی فائدہ اٹھا سکے گا۔ اگر یہ مقصود نہ ہوگا تو لوگ پروگرام میں آئیں گے، بیٹھیں گے اور چلے جائیں گے اور ویسے کے ویسے ہی رہیں گے کہ جیسے آئے تھے۔

یہ ساری خرابیاں اسی لیے پیدا ہوتی ہیں کہ افراد یہ سمجھتے ہیں، اور ذمہداران بھی اپنی بعض گفتگوؤں سے اس کی ہمت افزائی کرتے ہیں کہ تربیت کی اصل ذمہ داری اجتماعی پروگراموں، تنظیم اور

قائدین کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فرد اور تنظیم دونوں کی ذمہ داریوں کا ایک مخصوص دائرہ ہے۔ ذمہ داران کو بھی اپنے اس دائرے کو سمجھنا چاہیے، اس ذمہداری کو قبول کرنا چاہیے، اور اس کو ادا کرنے کے لیے پوری کوشش کرنا چاہیے۔ وہ دائرہ ان امور پر مشتمل ہے۔

☆ جذبات کو انگیز کرنا:

سب سے پہلا کام جذبات کو انگیز کرنا اور انسان میں موجودہ محرکات کا قوی بنانا ہے۔

☆ تربیت کے مواقع و امکانات: قیادت، ذمہ داران اور مجموعی طور پر پوری تنظیم کی ذمہ داری ہے کہ وہ تربیت کے لیے مواقع اور امکانات پیدا کریں۔ تنظیم کا ماحول ایسا بنائیں کہ جہاں اگر کوئی آدمی اپنی تربیت کرنا چاہے تو اس کو ایسا ماحول ملے جو اس کے لیے مدد و معاون ہو۔ اگر وہ ارادہ کرے کہ مجھے اپنی تربیت کرنا ہے اور میں اپنی اصلاح کی کوشش کروں گا تو ماحول سے اسے وہ ساری غذا، مواد اور امکانات ملیں جن سے وہ اپنا ارادہ پورا کرے اور اپنی اصلاح کر سکے۔ گویا بیج اس کو ڈالنا ہے، اگنا بھی اسے خود ہے، پودا اور درخت بھی اسے خود ہی بننا ہے، لیکن اگر وہ درخت بننے کا ارادہ کرے تو پھر اسے ہوا، پانی روشنی اور دیگر مطلوبہ ماحول فراہم کرنا تنظیم کا کام ہے۔ یہ دوسری ذمہ داری ہے۔

☆ صحیح خطوط پر رہنمائی:

تیسرا کام یہ ہے کہ اگر اسے تعلیم کی ضرورت ہو، اسے یہ نہ معلوم ہو کہ وہ راہیں کون سی ہیں جن پر اسے چلنا ہے، تو اسے یہ تعلیم دینا، راہ بتانا اور یہ رہنمائی دینا کہ وہ اپنی تربیت کس طرح کرے، کیا کرے اور کیا نہ کرے، یہ بھی تنظیم، ذمہ داران اور قیادت کا کام ہے۔

☆ قابل تقلید مثال پیش کرنا:

چوتھا کام یہ ہے کہ ایسی مثالیں ان کے سامنے موجود ہوں جو قابل تقلید ہوں۔ یہ خاص طور پر ان کی ذمہداری ہے جو آگے چل رہے ہوں، قیادت و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوں کہ وہ اپنے طرز عمل سے ایسی مثال پیش کریں جن کو دیکھ کر دوسروں کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی ہو، اور وہ ان کی

پیروی کی کوشش کریں۔

اصل مثال تو بہر حال اسوہ حسنہ ﷺ کی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی بار بار سمجھانے کی ضرورت ہے کہ جو بھی انسان ہمارے ساتھ چل رہے ہیں، خواہ وہ امیر جماعت ہو یا ناظم اعلیٰ یا کوئی صدر، یا کوئی عام کارکن، یہ سب ناقص ہیں۔ان کی کسی خرابی یا کمزوری کا کسی بھی وقت علم میں آنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم تحریک سے فرار اختیار کریں۔اس لیے کہ ہم تو اسی مفروضے پر آئے ہیں کہ ہم سب انسان ہیں اور ہم سب ناقص ہیں۔کسی بھی قائد میں کمزوری پائی جا سکتی ہے اور کمزوریاں ہوتی ہیں۔ان کی کوئی خرابی یا کمزوری کسی بھی فرد کے گمراہ ہونے کے لیے، اور میدان چھوڑ کر فرار ہونے کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔

☆......☆......☆

# مؤثر تنظیم

دین کے لیے منظم جدوجہد ضروری ہے۔اس بات پر یقین اسلامی تحریک کی بنیاد ہے۔وہ تنظیم جو اسلامی تحریک کے مقاصد کے حصول، اقامت دین اور جہاد کے لیے قائم کی گئی ہو، زیادہ سے زیادہ موثر کیسے بنائی جائے، یہ ایک وسیع اور اہم موضوع ہے۔

تنظیم مختلف افراد کو جمع کر کے ایک ایسا مجموعہ بناتی ہے جس کے ذریعے وہ کام کیا جا سکے کہ جو ہر فرد الگ الگ نہیں کر سکتا۔ نیز اس کے اندر اتنی قوت پیدا کرتی ہے جو صرف افراد کے مجموعے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر اسے ہم ایک معروف مثال کے ذریعے سمجھنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ تنظیم ایک جمع ایک کر کے صرف دو نہیں بلکہ گیارہ بناتی ہے۔ یہ صرف صلاحیتوں کو جمع نہیں کر دیتی بلکہ ان کو ضرب کرتی ہے، ان کے اندر کئی گنا زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ یہ وہ کام ہیں جو ایک تنظیم کرتی ہے۔ اگر چہ چند افراد مل کر کوئی بڑا کام سرانجام نہ دے سکیں اور دس افراد کی مجموعہ قوت بھی پانچ یا دس افراد کے برابر رہے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تنظیم موثر نہیں ہے۔

مؤثر کے معنی دراصل یہ ہیں کہ جو مقصد کسی تنظیم کے پیش نظر ہو، اس کا حصول تیز رفتاری کے ساتھ ممکن ہو سکے۔ اگر افراد جمع ہو جائیں، تنظیم بن جائے، دفاتر قائم ہو جائیں، عہدیدار اپنی ذمہ داریاں سنبھال لیں لیکن مقصد کی طرف پیش رفت نہ ہو اور مقصد حاصل نہ ہو سکے، تو پھر تنظیم تو موجود ہو گی لیکن ہم کہیں گے کہ وہ موثر نہیں۔ جتنا مقصد حاصل ہو، جتنی مقصد کی طرف پیش رفت ہو، اور جتنی تیزی کے ساتھ ہو، اتنی ہی تنظیم موثر ہو گی۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ تنظیم اپنی جگہ پر قائم ہو لیکن وہ موثر نہ ہو۔

## تنظیم کی قسمیں:

تنظیم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تنظیم وہ ہے جو کسی کام کو قائم اور برقرار رکھے۔ انگریزی میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو maintenance کا کام کر سکے۔ دوسری تنظیم وہ ہے، جس کو میں تحریکی تنظیم کہوں گا، جو حرکت میں لاتی ہے، آگے بڑھاتی ہے اور نشو نما و ارتقاء کا کام کرتی ہے۔ جس

طرح بجٹ کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک ریونیو بجٹ جو قائم رکھنے کا کام کرتا ہے، جب کہ دوسرا ڈویلپمنٹ بجٹ ہوتا ہے جو آگے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح تنظیمیں بھی دو قسم کی ہوتی ہیں، یعنی وجود کو برقرار رکھنے والی تنظیم اور کام کو آگے بڑھانے والی تنظیم۔

بعض تنظیمیں صرف ایک قسم کا کام کرتی ہیں، مثلاً یونی ورسٹی یا اسکول۔ یہ بھی ایک تنظیم ہے۔ آپ جو مساجد اور ادارے بناتے ہیں وہ بھی تنظیمیں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ سال بھر نظام چلتا رہے اور یہ چیزیں قائم و برقرار رہیں۔ انہیں تنظیمیں کہا جا سکتا ہے۔

ایک تحریکی تنظیم کا کام محض وجود کو قائم رکھنا نہیں ہوتا بلکہ آگے بڑھ کر، حرکت میں آ کر، کہیں پہنچنا اور مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ہے کہ تحریک اور تنظیم کے اندر نشو نما، ترقی اور ارتقاء کا عمل مسلسل جاری رہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ تحریکی تنظیم میں وجود کو قائم رکھنے کا کام بھی ہوتا ہے کہ جو قدم آگے بڑھائے جائیں وہ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ البتہ اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا کام جزوی ہوتا ہے۔ آگے بڑھنے کا کام ہی اس تحریک اور تنظیم کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ اگر وہ صرف اپنے وجود کو برقرار رکھنے کا یا بھرم قائم رکھنے کا ہی کام کرتی رہے کہ جو علاقہ فتح کر لیا بس اسی کو برقرار رکھنا ہے، تو پھر وہ ایک تحریک نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی تنظیم بن جاتی ہے جس کو صرف اپنے مقام یا وجود کو قائم و برقرار رکھنا ہو، یعنی (maintenance) تنظیم۔

سوال یہ ہے کہ تنظیم کو موثر کیسے بنایا جائے؟ کوئی بھی تنظیم ہو، یا جو تنظیم ہمارے پاس موجود ہے یعنی اسلامی تحریک، اس کو ہم کس طرح سے ان معنوں میں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں، موثر بنا سکتے ہیں؟

## موثر تنظیم کے بنیادی اصول:

کسی تنظیم کو موثر بنانے کے لیے بہت سے پہلو اور اصول ہیں جنہیں بیان کیا جا سکتا ہے۔ بہت سی تجاویز ہیں جو پیش کی جا سکتی ہیں لیکن میں نے صرف بنیادی اصولوں کا انتخاب کیا ہے۔ اس کے یہ

معنی بھی نہیں ہیں کہ صرف یہی اصول ہیں یا ان کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ یہ ایسے بنیادی اصول ہیں کہ جنہیں پہلے قدم کے طور پر اپنایا جا سکتا ہے۔

## تنظیم، حصول مقصد کا ذریعہ:

پہلی چیز یہ ہے کہ تنظیم کو اصل مقصد کبھی نہ بننے دیا جائے، یعنی محض اس کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش نہ کی جائے بلکہ تنظیم کو مقصد کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ دنیا بھر میں تمام تنظیموں کو اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جب وہ پھیلنا شروع ہوتی ہیں تو بالآخر وہ خود ہی اپنی جگہ پر مقصد بننا شروع ہو جاتی ہیں۔ جو تنظیم کسی مقصد کے لیے بنتی ہے وہ خود خدمت کی طلب گار بن جاتی ہے۔ وہ وقت، وہ صلاحیت، وہ پیسہ جو مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے لگنا چاہیے، اس کا بیشتر حصہ تنظیم کو برقرار رکھنے کے لیے لگنے لگتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تنظیم کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ناگزیر تقاضوں پر تنظیمی وسائل ضرور لگنے چاہئیں لیکن یہی اصل چیز نہیں ہے۔ اور جیسے جیسے یہ تناسب بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے مقصدی تحریکی تنظیم کی تاثیر میں کمی آتی جاتی ہے۔

اگر دو آدمی ہوں گے اور وہ مل کر کام میں لگے رہیں گے تو بڑی عمدہ تنظیم ہوگی۔ جب تنظیم میں وسعت پیدا ہو جائے، لاکھوں افراد تک پھیل جائے اور وہ دعوت کے اصل ہدف مثلاً توسیع دعوت کو چھوڑ کر صرف اسی کام میں لگے رہیں کہ انہیں تنظیم کو برقرار رکھنا ہے تو بالآخر اس کی تاثیر کے اثر و نفوذ میں کمی آنا شروع ہو جائے گی۔

اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ تنظیم کے کارکنوں کو بار بار اپنے آپ کو یہ یاد دلانا چاہیے کہ اور اس چیز کا جائزہ لینا چاہیے کہ جو تنظیمی وسائل ہیں اور وسائل سے میرا مطلب صرف مال نہیں ہے بلکہ آپ کے اوقات، آپ کی توجہ، آپ کی صلاحیتیں، تنظیم کے پاس جو افراد کار ہیں، یہ سب وسائل ہیں ان وسائل کا کتنا تناسب صرف تنظیم کے وجود کو برقرار رکھنے میں لگ رہا ہے اور کتنا تناسب تنظیم کو آگے بڑھانے اور مقصد کی طرف پیش رفت کرنے میں لگ رہا ہے؟ یہ وہ اہم ترین بات ہے جو کسی بھی تنظیم

کے ہر سطح کے قائد یا رہنما کو برابر سوچتے رہنا چاہیے خواہ وہ کسی گاؤں یا چک سے تعلق رکھتا ہو یا پورے ضلع اور صوبے یا ملک گیر یا عالمی سطح پر رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں قیادت نام ہی سوچنے کا ہے۔ اب تو فوجیں بھی جرنیل لڑواتے ہیں۔ وہ پیچھے بیٹھ کر سوچتے رہتے ہیں کہ فوجیں کیسے لڑیں گی اور کیا حکمت عملی اپنائی جائے۔ وہ بندوق ہاتھ میں لے کر نہیں نکلتے۔ موجودہ دور میں جس پیمانے پر تنظیموں کو کام کرنے کی ضرورت ہے، خواہ تجارت میں جہاں بڑی بڑی کارپوریشن بنتی ہیں، یا فوج میں جہاں بڑی بڑی فوجیں جنگ عظیم لڑتی ہیں، یا تحریکوں میں جہاں بڑے بڑے انقلاب لانے ہوتے ہیں، قیادت کا اصل کام سوچ و بچار اور غور وفکر ہی ہے۔ فکر و تدبر کا یہ عمل برابر جاری رہنا چاہیے۔

## مطلوبہ کام کا صحیح اندازہ:

پھر اس بات کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے کہ آخر ہمارا کام یا جاب کیا ہے؟ اگر میں کاروباری اور دفتری اصطلاح استعمال کروں تو اسے انگریزی میں size up کرنا کہیں گے، یعنی اپنے کام کا اندازہ کرنا۔ آپ کسی بھی سطح کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہوں مثلاً گاؤں، شہر یا صوبہ وغیرہ، آپ کو اپنے کام کا اندازہ کرنا یعنی اپنی جاب کو size up کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر صحیح معنوں میں تنظیم کو موثر نہیں بنایا جاسکتا۔ یعنی اس بات کا اندازہ لگانا کہ کسی گاؤں میں کتنے لوگ ہیں؟ کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں؟ کون لوگ بااثر ہیں؟ کہاں کہاں طاقت کے سرچشمے ہیں اور ان کو بالآخر ہمیں کیسے مسخر کرنا ہے؟ اگر آپ کو یہی نہیں معلوم کہ آپ کے علاقے یا بستی میں کتنے گاؤں ہیں اور کتنے افراد ہیں؟ کہاں کون سا چودھری بیٹھا ہوا ہے؟ کس کے ہاتھ میں طاقت اور قوت ہے؟ کس مسجد کا امام وخطیب بااثر ہے اور کون بے اثر؟ تو آپ اس علاقے کو کیسے مسخر کرسکیں گے؟

اگر آپ کو کسی علاقے میں تحریک اسلامی کے کام کو صحیح معنوں میں آگے بڑھانا اور موثر انداز میں کرنا ہے تو سب سے پہلے آپ کو اپنی جاب، یعنی اپنے کام کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر آپ کوئی

بھی ٹھوس منصوبہ نہیں بنا سکتے اور کسی طرح بھی تنظیم کو موثر نہیں بنا سکتے۔ اس صورت میں بہ ظاہر تنظیم متحرک ہوگی، وسائل صرف ہو رہے ہوں گے، توسیع دعوت کا کام یعنی افراد سے رابطہ اور ملاقاتیں کرنا، متفق اور کارکن اور ارکان بنانے کا کام بھی ہو رہا ہوگا لیکن اس علاقے میں تحریک کا وہ اثر و نفوذ قائم نہ ہو سکے گا جس کے نتیجے میں اس علاقے کو مسخر کیا جا سکے۔

درحقیقت ملاقاتیں کرنا، متفق یا ارکان بنانا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تو یہ ہے کہ اس پورے علاقے اور آبادی کو اپنے مقصد کے لیے مسخر کرنا ہے۔ جو بھی متفق بنے، یا کارکن بنے، آپ کو ہمیشہ اسی مقصد کے پیش نظر اسے اسی معیار پر پرکھنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے نتیجے میں آپ نے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ جہاں پر ہیں اور جہاں پر پہنچنا ہے، ان دونوں کا موازنہ کرنا چاہیے۔ جب تک آپ موازنہ نہیں کریں گے۔ آپ کی تنظیم موثر نہیں ہوگی اور تنظیم کو موثر بنانے کے لیے صحیح جذبہ بیدار نہ ہو سکے گا۔ اگر آپ کو یہی نہیں معلوم کہ مجھے کتنا کام بالآخر کرنا ہے؟ یا مطلوب ہدف و مقصد کیا ہے؟ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہر سال ایک رپورٹ بھرتے رہیں گے کہ اتنا کام ہوا ہے، لیکن آپ کو جس ہدف تک پہنچنا ہے، یعنی علاقے کو مسخر کرنا اور عوام الناس کے لیے مرجع خلائق (قائد) بننا، اس تک آپ نہیں پہنچ سکیں گے۔

موثر منصوبہ بندی:

اپنے کام کا اندازہ کر لینے کے بعد پھر یہ طے کرنا چاہیے کہ کہاں پہنچنا ہے؟ کیسے پہنچنا ہے؟ پہنچنے کے لیے کن وسائل کی ضرورت ہے؟ اور وسائل کیسے فراہم ہوں گے؟ یہ چار سوال کہاں پہنچنا ہے؟ کیسے پہنچنا ہے؟ کیا وسائل درکار ہیں؟ اور وسائل کی فراہمی کیسے ہوگی؟ بڑے اہم سوال ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا کام ہو یا بڑے سے بڑا کام، مثلاً کوئی پوسٹر نکالنا یا لگانا ہو، کوئی تربیت گاہ منعقد کرنا ہو، کوئی جلسہ کرنا ہو یا درس مقرر کرنا ہو، یا انتخاب لڑنا ہو یا پورے ضلع اور ملک میں انقلاب برپا کرنا ہو۔ آپ کو ان کا جواب دینا ہوگا کہ ہمیں کہاں پہنچنا ہے؟ ہم وہاں کس طرح پہنچیں گے؟ پہنچنے کے لیے ہمیں کس چیز کی

ضرورت ہوگی؟ وسائل اور ذرائع انسانی، مالی، سیاسی، معاشی، روحانی اور اخلاقی کیسے فراہم ہوں گے اور کہاں سے آئیں گے؟ موثر تنظیم کے لیے یہ تیسرا اصول ہے۔

ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے چلنا شروع کیا اور پیٹرول ختم ہوگیا، تو آپ کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ آپ کو جتنے مسافروں کی ضرورت ہو وہ موجود ہی نہ ہوں اور آپ آگے نہ بڑھ سکیں۔ اسی نوعیت کے بہت سارے حادثات پیش آسکتے ہیں۔ صبح ہی صبح آپ بغیر سوچے سمجھے گھر سے نکل پڑتے ہیں، بینک پہنچتے ہیں، پتہ چلا کہ چیک بک تو گھر ہی بھول آئے ہیں، اس لیے کہ آپ نے نکلنے سے پہلے پانچ منٹ بیٹھ کر یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھے آج کیا کام کرنا ہے اور کس چیز کی ضرورت پڑے گی؟ اب آپ جیب میں تلاش کرتے ہیں یا سوچتے ہیں کہ ارے یہ تو میں گھر ہی چھوڑ آیا۔ اسی طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک مدت گزرنے کے بعد آپ یہ سوچیں کہ اوہ، یہ چیز تو ہم پہلے ہی بھول گئے تھے اور ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے ہم نے سفر شروع کیا تھا۔

لہٰذا سوچنے کا عمل اور برابر سوچنے کا عمل، بہت ضروری ہے۔ اسے منصوبہ بندی یا پلاننگ کے نام سے بھی لوگ پکارتے ہیں۔ منصوبہ کے حوالے سے بہت سے اصول وضوابط بیان کیے جاسکتے ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ سوالات ہی منصوبہ بندی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

خواہ معاملہ چھوٹے سے گاؤں کا ہو یا شہر اور ملک کا، بہرحال آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ آپ اس وقت کہاں کھڑے ہیں؟ آگے بڑھنے کا عمل ایک تدریجی عمل ہے۔ ایک جست لگا کر ہم اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہمیں ایک قدم کے بعد دوسرا قدم آگے بڑھانا ہوگا۔ فوج بھی اگر مارچ کرتے ہوئے لیفٹ رائٹ کرتی ہوئی برابر قدم بڑھائے تو آگے بڑھ جاتی ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ آپ ایک ہی چھلانگ لگا کر منزل پر پہنچ جائیں تو یہ نہیں ہوگا۔ پھر آپ کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ایک ماہ، ایک سال، پانچ سال کے بعد یہ ایک قدم یا اقدام آپ کو کہاں لے جائے گا؟ اگر آپ اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ پانچ سال کے بعد کسی چک، گاؤں، تحصیل یا ضلع میں تحریک کا کام کہاں

تک پہنچے گا یا اسے کہاں تک پہنچنا چاہیے تو پھر اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ آپ وہیں کھڑے رہیں گے جہاں پر آپ آج کھڑے ہیں۔

طویل العمل منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ آپ کو قلیل العمل منصوبہ بندی کے طور پر چھوٹے چھوٹے قدم بھی اٹھانے ہوں گے، کہ اگلے چند ماہ یا ایک سال میں ہم اتنا آگے بڑھیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ میں اتنی بصیرت ہو کہ آپ جان سکیں کہ اگلے پانچ یا ۱۰ سال میں ہمیں اپنے کام کو کہاں تک پہنچانا ہے۔ اس کے لیے سوچنے، جائزہ لینے اور کام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو جائزے کے لیے ضروری ہے۔ اگر رپورٹ کے اندر اس بات کا ذکر ہی نہ ہو کہ کیا کرنا تھا اور کیا کیا؟ تو یقیناً ایسی رپورٹ یا جائزہ تحریکی تنظیم کے لیے تو بے مقصد ہو گا البتہ (maintenance) تنظیم کے لیے کافی ہے کہ سڑک کی مرمت کروائی گئی یا مدرسہ یا مسجد کے انتظامات بہتر کیے گئے وغیرہ۔ ایسی تنظیم جو "تحریکی تنظیم" ہے، اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ دیکھے کہ اسے کہاں پہنچنا تھا، کتنا آگے بڑھے ہیں اور مزید آگے کیسے بڑھنا ہے؟ جب تک کسی رپورٹ میں اس بات کا جائزہ نہ لیا جائے، تو پھر یہ رپورٹ تحریکی تنظیم کے لیے بے مقصد ہے، اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ نتیجتاً رپورٹ یا جائزہ لینے کا عمل ایک رسم بن کر رہ جاتا ہے اور عملاً کام جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔

## نتائج پر نظر رکھنا:

چوتھا اصول یہ ہے کہ آپ اپنے آپ میں ایک سوال کرنے کی عادت ڈالیں اور وہ سوال ہے: کیوں؟ آپ کہیں گے یہ تو بڑا آسان سوال ہے۔ لیکن عملاً یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس لیے کہ یہ کام ہم کیوں کر رہے ہیں؟ اور اس سے کیا حاصل ہو رہا ہے؟ اس سوال کے نتیجے میں جو جواب آتا ہے وہ اکثر بڑا ناگوار اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے آپ یہ دیکھیں کہ یہ کام ہم کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ کام کرتے ہوئے بار بار اپنے آپ سے پوچھیے کہ یہ کام ہم کیوں کر رہے ہیں؟ اگر کر چکے ہیں تو پوچھیے کہ اس کو ہم کیوں کر رہے تھے؟ اگر آپ بہت سے کاموں کو ان سوالات کو پیش نظر

رکھتے ہوئے جانچ کر دیکھیں کہ وہ مقصد کو آگے نہیں بڑھا رہا ہے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے یا تو آپ ان کو بہتر بنائیں یا پھر ان کو ترک کر دیں۔ اس لیے کہ غیر مفید کام کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی کارخانے میں کوئی مال ایسا بن رہا ہو جو بکتا ہی نہ ہو، یا کوئی مزدور ایسا ملازم ہو جو کام نہ کرتا ہو۔ پھر اس کیوں؟ کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئے گی کہ یہ مال کیوں بنایا جا رہا ہے؟ کیا اسے صرف سٹور کرنے کے لیے بنایا جا رہا ہے؟ یا اگر اسے فروخت کرنا ہے تو پھر اس کے لیے خریدار پیدا کرنے ہوں گے ورنہ اس مال کو بنانے کا کیا فائدہ؟ گویا یا تو ہم اس کام کو کسی مقصد کے لیے مفید بنائیں یا پھر اسے ترک کر دیں۔

اس فیصلے پر عمل درآمد کرنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب کسی کام کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو فوراً یہ دلیل سامنے آتی ہے: یہ کام کیوں ترک کیا جائے؟ یہ تو ہمیشہ ہی سے ہوتا آ رہا ہے۔ اس لیے اسے ہونا چاہیے۔ بعض کاموں کے لیے تو یہ دلیل بڑی ضروری اور مضبوط ہے جیسے روایات بالخصوص بنیادی روایات۔ یہ تو ہر صورت میں برقرار رہنی چاہئیں۔ مثلاً نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اگرچہ اس کے مقصد اقم الصلوۃ لذکری کا بار بار ذکر آیا ہے، لیکن اگر ذکر اور خشوع و خضوع کی کیفیت نہ بھی ہو، نماز تو بہر حال پڑھی جائے گی، اس لیے کہ وہ فرض کر دی گئی ہے۔ البتہ ہر وہ کام جو ہم نے خود سے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اس کا کرنا صرف اس لیے ضروری نہیں کہ ہم اس کو کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اصل چیز کام کا نتیجہ خیز ہونا ہے۔ اس مقصد کے لیے اگر کوئی کام جو ہم پہلے سے طے کر چکے ہیں موثر ہے، مقصد کو آگے بڑھا رہا ہے، تو وہ ضرور ہونا چاہیے۔ اگر مقصد کو آگے نہیں بڑھا رہا تو اتنی ہمت و جرات ہونی چاہیے کہ ہم اس کو ترک کر دیں۔

مثال کے طور پر سالانہ تربیت گاہ محض اس لیے منعقد کرنا کہ منصوبہ عمل میں شامل ہے تو یہ انداز تنظیموں کا سا ہے، تحریکی تنظیموں کا نہیں۔ اصل بات تو سوچنے کی یہ ہے کہ تربیت گاہ کس مقصد کے لیے منعقد کی جا رہی ہے؟ کارکنان کو ان تین دنوں میں کیا دے کر واپس بھیجنا ہے؟ وہ کیا چیز لے کر جائیں کہ اگلے پورے سال کے کام میں یہ مفید ہو؟ اگر اس انداز میں سوچا جائے تو شاید تربیت گاہ زیادہ مفید ثابت ہو۔

اسی طرح رپورٹ فارم ہو یا اجتماع، جلسہ عام ہو یا کوئی بھی کام، آپ بار بار سوچیں کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اس سے مقصد آگے بڑھ رہا ہے؟ کیا ہمارے قدم آگے بڑھ رہے ہیں؟ کیا ہم اپنی منزل کے قریب آ رہے ہیں؟ اگر نہیں آ رہے تو ذرا رک کر اس فیصلے پر نظر ثانی کرنا چاہیے اور وقت، وسائل اور صلاحیتوں کو کسی ایسے بہتر کام میں لگانا چاہیے جس کے نتیجے میں ہماری منزل قریب آ سکے اور ہم مطلوبہ ہدف حاصل کر سکیں۔ اگر آپ نے اس طرز عمل کو اپنایا تو بہت سے غیر مفید کام ترک کیے جا سکیں گے اور ہلکے پھلکے ہو کر آپ تیزی کے ساتھ شاید زیادہ آگے بڑھ سکیں۔

## تنظیم کا بوجھل پن:

پانچویں چیز جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ بھاری اور بوجھل چیز کے مقابلے میں ہلکی پھلکی چیز کم وسائل کے ساتھ زیادہ تیزی سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ جس فوج کے پاس جتنا ہلکا، تیز اور (swift) اسلحہ ہوگا، اتنی ہی تیزی کے ساتھ وہ آگے بڑھ سکے گی۔ دنیا میں ابتدا ہی سے ان فوجوں نے کامیابی حاصل کی ہے جن کے پاس ہلکا پھلکا اور تیز رفتار اسلحہ تھا۔ گھوڑے آئے تو آگے بڑھ گے، ٹینک آئے تو آگے بڑھ گئے اور ایٹم بم چلے گا تو قوم کی قوم کو تباہ کر دے گا کیونکہ ہلکی پھلکی چیز تیزی کے ساتھ آگے بڑھ سکتی ہے اور کام کر سکتی ہے۔ جتنا آدمی موٹا ہوتا جائے اتنا ہی اس کا آگے بڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تنظیمیں وسعت کے بعد بھاری، بوجھل اور موٹاپے کا شکار ہو جاتی ہیں جس سے کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس ضمن میں دو چیزیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ میں یہ بات صرف اسلامی تحریک کو سامنے رکھ کر نہیں بیان کر رہا بلکہ دنیا بھر کی تنظیموں کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر بیان کر رہا ہوں۔

## وقت، اہم ترین وسیلہ:

چھٹی چیز، جو سب سے زیادہ قیمتی جنس، وسیلہ یا شے ہے، جسے سب سے زیادہ کارگر اور کارآمد ہونا چاہیے، وہ وقت ہے۔ آپ کا سب سے قیمتی وسیلہ، آپ کا وقت ہے۔ کام بغیر مال، بغیر مکان اور بغیر جگہ کے ہو سکتا ہے مگر کوئی بھی کام وقت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ہر کام وقت چاہتا ہے۔ آپ کو

اجتماع کرنا ہوتو وقت چاہیے، دعوتی کام کرنا ہوتو وقت چاہیے، درس دینا ہوتو وقت چاہیے، دفتر چلانا ہو
وقت چاہیے اور اگر پوسٹر لگانا ہوتو وقت چاہیے۔ مال کے بغیر بہت سے کام ہو سکتے ہیں، جیسا کہ میں
نے کہا، کام مال و دولت، جگہ اور دفاتر وغیرہ کے بغیر بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر وقت ایک ایسی چیز ہے جس
کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ پھر وقت کے لیے بڑی اہم بات یہ ہے کہ اسے کہیں سے قرض لے کر
بڑھایا نہیں جا سکتا۔ آپ چندہ لے کر فنڈز بڑھا سکتے ہیں، مکان بنا سکتے ہیں لیکن وقت کسی سے قرض
نہیں لے سکتے۔ پیسہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے لیکن وقت کو محفوظ رکھنا، سٹور یا ڈیپازٹ کر لینا ممکن نہیں۔

وقت کا معاملہ تو ایسا ہے کہ ادھر آپ نے پلک جھپکی ادھر ایک لمحہ گیا۔ بعض دفعہ پلک جھپکنے میں
صدیاں گزر جاتی ہیں۔ اس لیے وقت کے استعمال میں ہوشیار، چوکنا اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔
اس لیے کہ وقت ہماری سب سے قیمتی چیز ہے، فرد کے لیے بھی، جماعت کے لیے بھی اور قوم کے لیے
بھی۔ اگر وقت کی قدر و قیمت کا صحیح احساس آپ نے خود بھی کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کرایا، تو پھر کم
وقت میں زیادہ کام ہوگا اور تنظیم موثر ہوگی۔ اگر وقت صحیح طور پر استعمال نہ ہوتو پھر وقت کا ضیاع بھی ہوگا
اور مطلوبہ اہداف بھی حاصل نہ ہو پائیں گے۔

وقت تو ضرور ضائع ہوتا ہے، اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ
وقت آئے جب آپ کہیں:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّی اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا " "المومنون ۲۳: ۹۹۔۱۰۰"

یعنی اب تو واپس وہی وقت مل جائے، اب میں ٹھیک کام کروں گا۔ اس وقت کے آنے سے پہلے
عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وقت کو خوب سوچ سمجھ کر بہترین طریقے پر استعمال کیا جائے تا کہ کم سے کم
وقت میں زیادہ سے زیادہ کام ہو سکے اور اگر وقت ضائع بھی ہوتو کم سے کم ضائع ہو۔

وقت کو بہترین انداز میں کیسے استعمال کیا جائے؟ یا وقت کو ضائع ہونے سے کیسے بچایا جائے؟
اس ضمن میں، چند بنیادی اصول آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

آپ ناظم ضلع، ناظم ڈویژن، ناظم حلقہ یا کسی بھی سطح کے ذمہ دار ہوں یا کارکن ہوں، سب سے پہلا کام جس طرح بیت المال کا آڈٹ کرتے ہیں کہ پیسے کہاں سے آئے اور کہاں خرچ ہوئے؟ اسی انداز میں اپنے وقت کا آڈٹ کیا جائے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ بھر میں ۱۶۸ گھنٹے آپ کو عطا کیے ہیں، جو آپ کے اکاؤنٹ میں آئے اور نکل گئے مگر آپ اس کا جائزہ ہی نہیں لیتے۔ بیت المال کا تو آپ آڈٹ کراتے ہیں، حساب لگاتے ہیں اور رپورٹ مانگتے ہیں مگر وقت کا حساب نہیں لگاتے جو کہ مال سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ درحقیقت اہم ترین چیز آپ کا وقت ہی ہے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر فرد اپنے وقت کا جائزہ لے کر کتنا وقت کہاں اور کیسے خرچ ہوا؟ مگر افسوس کہ وقت کا کوئی حساب نہیں رکھتا۔

وقت کا آڈٹ یا جائزہ کیسے لیا جا سکتا ہے؟ اس غرض کے لیے آپ اپنے وقت کا کوئی مخصوص دورانیہ مثلاً ایک ہفتہ، دو ہفتے یا ایک مہینے کا اپنا آڈٹ اکاؤنٹ بنائیے۔ ایک خانہ ''آمدن'' کا بنائیے جب کہ دوسرا خانہ ''خرچ'' کا۔ آمدن کے خانے میں آپ منٹ، گھنٹے اور دن درج کیجیے جب کہ خرچ کے خانے میں یہ تفصیل درج کیجیے کہ وقت کہاں کہاں خرچ ہوا؟ اس کے بعد آپ اس بات کا جائزہ لیجیے کہ کون سا کام تحریک و تنظیمی کام کے لیے مفید اور اہم ہے اور کون سا کام غیر مفید اور غیر اہم۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ یہ بات جو اکثر کہی جاتی ہے کہ ''کام کے لیے وقت نہیں ملتا'' اتنی صحیح نہیں ہے۔ وقت اتنا بھی ''ناپید'' نہیں ہے۔

اگر آپ اپنے اس وقت کا وہ تناسب نکالیں جو کسی کام میں نہیں لگتا، محض ضائع ہو جاتا ہے، تو آپ کو نظر آئے گا کہ کام کے لیے بہت وقت بچتا ہے۔ آخر سونے کے لیے وقت ہے، ہر کام کے لیے وقت ہے۔ میں تزکیہ و قربانی کی بات نہیں کر رہا۔ میں سیدھی سیدھی یہ بات کر رہا ہوں کہ اپنے وقت کا جائزہ لیجیے۔ اگر آپ کو یہ بات گراں نہ گزرے تو میں کہوں گا کہ بنیے کی طرح بیٹھ کر اپنے وقت کا حساب کیجیے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ صبح شروع کرو تو اپنے نفس کے ساتھ تجارت کے انداز میں یہ بات کرو

کہ میں نے ۲۴ گھنٹے تیرے حوالے کیے ہیں اور تو نے انہیں اس طرح استعمال کرنا ہے۔ یہ میرا اور تیرا معاہدہ ہے۔ کل میں تجھ سے حساب لوں گا کہ تو نے انہیں کس طرح استعمال کیا ہے۔

یہ پورا عمل ہے محاسبے کا، تجارت کا اور شرائط کا۔ لیکن آپ کو تحریکی نقطہ نظر سے سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت آپ کو دیا ہے، اسے آپ کیسے بہتر انداز میں استعمال کر سکتے ہیں۔ جس طرح آپ بیت المال کا حساب کرتے ہوئے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ٹرانسپورٹ پر یا عمارات کی تعمیر پر زیادہ سرمایہ لگ رہا ہے، بالکل اسی طرح آپ وقت کا حساب بھی کیجیے۔ اس بات کا جائزہ بھی لیجیے کہ کہاں وقت زیادہ لگ رہا ہے اور کہاں کم؟ اور کہاں وقت ایسی چیزوں میں لگ رہا ہے جہاں نہیں لگنا چاہیے۔ اس کے بعد آپ جس طرح حساب کتاب کرتے ہوئے یا بجٹ بناتے ہوئے فضول اخراجات ختم کر دیتے ہیں، اسی طرح قلم لے کر اپنی فہرست سے ایسے کاموں کو کاٹ دیجیے کہ آئندہ کچھ مدت تک ہم یہ کام نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ اس کام کے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

وقت کے صحیح استعمال کا تیسرا اصول یہ ہے کہ ایسے کام جو دو دو، چار چار منٹ لیتے ہیں، ان کو ترک کر دیجیے۔ اس لیے کہ اس طرح کام کرنے سے بہتر نتائج نہیں نکلتے۔ اس کے بجائے آپ اپنے کام مسلسل چند گھنٹے یا طویل دورانیے میں یکسو ہو کر کرنے کی کوشش کیجیے۔ اس طرح زیادہ کام، بہتر انداز میں کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی تحریک کے ذمہ داران خواہ وہ کسی بھی سطح کے ناظم، یا امیر ہوں، انہیں کچھ نہ کچھ وقت اپنی تحریک، تنظیم اور ساتھیوں کے بارے میں سوچنے کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے روزانہ، ہفتے میں یا مہینے میں کچھ وقت متعین کر کے وہ کوئی اور کام نہ کریں اور صرف یہ سوچیں کہ آئندہ چار یا چھ ماہ میں مجھے اس تحصیل، ڈویژن یا ضلع میں اس کام کو کیسے آگے بڑھانا ہے؟ اگر آپ اس چیز کی عادت ڈال لیں تو کام کی نئی راہیں کھلتی محسوس ہوں گی۔ اسی طرح اگر تنظیم کی طرف سے آپ کو کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے یا کوئی کام آپ کے ذمے لگایا جاتا ہے تو اسے چھوٹے چھوٹے وقفوں میں کرنے

کے بجائے اگر طویل وقفوں میں لگ کر اور یکسو ہو کر کریں گے تو آپ محسوس کریں گے کہ آپ کی کارکردگی بہتر ہوگئی ہے۔ اس کے نتیجے میں یقیناً تنظیم کی مجموعی کارکردگی میں بہتری ہوگی اور کام کی رفتار بڑھ جائے گی۔

انسان، اہم ترین سرمایہ:

موثر تنظیم کے حوالے سے ساتویں چیز یہ ہے کہ تحریک کے لیے وقت جیسے قیمتی سرمائے کے بعد سب سے بڑا اور اہم وسیلہ انسان اور کارکن ہیں۔ اگر ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان ہی وقت کا نام ہے۔ اس لیے کہ جب آخری سانس نکل جاتی ہے تو وقت ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو وقت آپ کا اپنا ہے، یا جو آپ کے Disposal پر ہے، یا جو آپ کو فراہم کیا گیا ہے، یہ سب افراد کی صورت میں ہے۔

یہ وقت جو افراد (افرادی قوت) کی صورت میں آپ کے پاس ہے، صرف ایک قسم یا کوالٹی کا نہیں ہے۔ سب انسان ایک جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو فیکٹری کے جوتوں کی طرح ایک سائز یا ایک قسم کا نہیں بنایا ہے بلکہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ اس حد تک مختلف ہے کہ دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات (finger prints) بھی دنیا میں آج تک ایک جیسے نہیں ہوئے۔ آج تک اربوں انسان پیدا ہوئے اور مر گئے مگر ان کے انگلیوں کے نشانات ایک جیسے نہیں ہوئے۔ یہ جہاں اللہ کی قدرت کا بین ثبوت ہے وہاں انسانوں کے مزاج، افتادِ طبع، رجحانات اور صلاحیتوں میں اختلاف کا بھی مظہر ہے۔ انسانی مزاجوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید انسان مل کر کام کر ہی نہیں سکتا۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اس نے حیرت انگیز طور پر انسانوں، خاندانوں، معاشروں اور سوسائٹیوں کے مابین ایسی ضروریات پیدا کر دیں کہ مختلف النوع انسان مل جل کر رہ رہیں اور باہم ایک جماعت اور تنظیم بنائیں۔

اسلامی تحریک کے لیے سب سے بڑا وسیلہ انسان ہی ہیں۔ ذاتی طور پر اپنا تزکیہ و تربیت کرنا، اور وہ انسان جو تحریکی ناطے سے ساتھ چل رہے ہوں ان کی تربیت کرنا اور ان سے کام لینا، یہ ذمہ داران

کی بنیادی ذمہ داری ہے۔رسول کریم ﷺ کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل تھی کہ وہ ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں وَیُزَکِّیْھِمْ (الجمعہ ۶۲ : ۲) ان کی زندگی سنوارتا ہے۔گویا انسان اگر بہتر بنیں گے اور کارآمد بنیں گے تو کام بہتر ہوگا، اور اگر انسان اسی مقام یا سطح پر رہیں گے جیسا کہ آج سے ۱۰ برس قبل تھے تو کام بھی ویسا ہی رہے گا جیسا کہ ۱۰ برس قبل تھا۔جب آپ خود وہی ہوں جو آج سے ۱۰ سال قبل تھے تو آپ کا کام کیسے آگے بڑھ سکتا ہے۔اگر آپ کی صلاحیت، استعداد، قابلیت اور کارکردگی وہی ہے جو آج سے ۱۰ برس قبل تھی تو اس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا کام بھی وہیں رکا رہے گا۔ اپنا کام تو آپ کو خود ہی کرنا ہے، فرشتے آکر تو آپ کے حصے کا کام کرنے سے رہے۔

## فرد کی تربیت کے اصول:

یہ بات کہ آدمی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تربیت کیسے کرے اور ان سے کام کیسے لے؟ یہ اپنی جگہ ایک الگ تفصیلی موضوع ہے۔تاہم اس ساتویں نکتے کے تحت میں چند موٹی موٹی باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

☆ خوبیوں پر نظر رکھنا:

پہلی بات یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔کچھ کام وہ نہیں کرسکتا ہے اور کچھ کام وہ ضرور کرسکتا ہے۔ہر فرد کا ایسا ہی معاملہ ہے۔اسی طرح جہاں ہمارے اندر کمزوریاں ہیں وہاں مختلف صلاحیتیں، قوتیں اور استعداد بھی ہے۔

☆ کمزوریوں کا اثر کم سے کم:

ایک موثر تنظیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں کمزوریوں کا اثر کم سے کم ہو۔کم سے کم اس لیے، کہ یہ کم تو ہوسکتا ہے مگر ختم نہیں ہوسکتا۔اس بات کو ابتدا ہی میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔یہ بات کہ دنیا میں رہنے والے تمام انسان کامل ہوجائیں گے، سب ایک آواز پر جمع ہوجائیں گے، اجتماع میں بروقت پہنچیں گے، اور سب کام کریں گے ایسا نہیں ہوسکتا۔یہ مسائل تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی

پیش آتے رہے ہیں۔انسان تو ہے ہی کمزور چیز۔ و خلق الانسان ضعیفا (النساء ۴:۲۸) اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔مگر اس کو بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں بھی دی گئی ہیں۔اس میں اتنی قوت اور طاقت ہے کہ وہ اس کام کو بھی کر سکتا ہے کہ جس کو کرنے سے پہاڑ اور زمین بھی لرز اٹھتے ہیں۔گویا انسان کمزوریوں اور قوتوں کا ایک مجموعہ ہے۔اس لیے وہی تنظیم بہتر کام کر سکتی ہے جو کمزوریوں اور خامیوں کو اور ان کے اثرات کو کم کر کے میسر قوتوں کو اچھے انداز میں استعمال کر سکے،اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لے۔

☆ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا:

اللہ نے انسانوں کو بلا مقصد تو پیدا نہیں کر دیا،وہ ان سے کچھ کام بھی لینا چاہتا ہے۔اس لیے انہیں کچھ صلاحیتیں تو ضرور عطا کی ہوں گی۔اس لیے یہ لوگ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں۔لہذا لوگ جو کچھ کر سکتے ہوں،ان سے وہ کام لینا چاہیے۔یہ تمام صلاحیتیں اور وسائل جمع ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔اس کے مقابلے میں اگر آدمی ان باتوں پر غور کرتا رہے جو لوگ نہیں کر سکتے،تو قوت صفر ہو جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ایک فرد کے اندر کیا خوبیاں ہیں؟ انہیں بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیے اور جو کمزوریاں ہیں انہیں دبانے یا دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔اسی طرح اپنے ساتھیوں کے اچھے اوصاف کی قدر کریں،ان کو اہمیت دیں،ان کی نشوونما کی کوشش کریں اور ان کو مربوط کر کے مجموعی قوت بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ تنظیم کے اندر قوت اور طاقت پیدا ہو گی۔ دوسری طرف اگر آپ صبح سے شام تک اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں اور خامیوں کا رونا ہی روتے رہیں گے تو یقین جانیے کہ یہی کام کرتے کرتے آپ کی عمر بھی گزر جائے گی اور تنظیم کی عمر بھی گزر جائے گی مگر کام آگے نہیں بڑھ سکے گا۔لیکن جہاں آپ نے یہ محسوس کیا کہ ۷۵ آدمی بڑھتے بڑھتے لاکھوں افراد بن گئے،وہ آپ کے پاس ہیں،آپ کی قوت ہیں اور ان سے آپ نے کام لینا ہے،تو آپ کی کیفیت

بدل جائے گی۔ آپ کو ایک نیا عزم اور ولولہ ملے گا۔ نتیجتاً تنظیم کی مجموعی کارکردگی بہت بہتر ہو جائے گی اور تمام وسائل تعمیری عمل میں صرف ہونے لگیں گے۔

ہر انسان کے اندر خوبیوں اور خامیوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کے حامل افراد کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ مگر افراد کی خوبیوں، اچھائیوں اور صلاحیتوں کو بڑھانا، نشوونما دینا اور انہیں ایک موثر قوت میں بدل دینا، افراد کی تربیت اور ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کا پہلا اصول ہے۔

☆ مسلسل سیکھنے کا عمل:

افراد کی تربیت کے حوالے سے دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر کام سیکھنے سے آسکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے کہ جو آدمی محنت اور کوشش کر کے نہ سیکھ سکتا ہو۔ اگر کسی کو بولنا نہیں آتا تو بولنا آسکتا ہے۔ اگر لکھنا نہیں آتا تو لکھنا آسکتا ہے۔ اگر آفس چلانا نہیں آتا تو آفس چلانا آسکتا ہے اگر لیڈرشپ یا قیادت کی صلاحیت نہیں ہے تو پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو دنیا کی بڑی بڑی ارب پتی کمپنیوں کو تربیت یافتہ افراد کہاں سے ملتے۔ افراد کو یونی ورسٹیوں میں رکھا جاتا ہے، تربیت کی جاتی ہے اور یہی معمولی انسان بڑے بڑے کاروبار کامیابی سے چلا کر دکھاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ لیڈرشپ یا قیادت کا فن سیکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ سیکھ وہی سکتا ہے جو سیکھنے کی کوشش کرے۔ کوئی دوسرا فرد گھول کر یا کچھ نسخے پلا کر کسی دوسرے کے اندر کوئی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا۔

یہی بات سمجھنے اور دوسرے ساتھیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ کسی قسم کا مطالعہ، لٹریچر یا تربیت گاہیں اس وقت تک کارگر نہیں ہو سکتیں جب تک کہ آپ وہ بننا نہ چاہیں جو کہ آپ بننا چاہتے ہیں۔ اس عمل کو سیکھنے کا عمل یا انگریزی میں learning کہا جاتا ہے۔ اگر سیکھنے کا عمل مسلسل جاری رہے تو انسان سیکھ سکتا ہے اور اگر یہ عمل جاری نہ رہے تو نہیں سیکھ سکتا۔ محض تقریروں یا تربیت گاہوں سے انسان نہیں سیکھتا بلکہ اپنے عمل اور ارادے سے سیکھتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان یہ عزم کر لے کہ کوئی کام ایسا نہیں ہے جو ناممکن ہے اور اپنے

ہر ساتھی کے اندر یہ سوچ پیدا کرے کہ جو کام کرنا ضروری ہے وہ کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک جو آدمی اپنے اوپر اعتماد سے محروم ہو یا اپنے اوپر بد اعتمادی کرے وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بد اعتمادی کرتا ہے۔ میں یہ بات اس لیے کہتا ہوں کہ اللہ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، جو کام لینا اس کے پیش نظر ہے اور جو آزمائش اس کو مقصود ہے، اس نے اس کے لیے انسان کو مطلوبہ صلاحیتیں ہی عطا نہ کی ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ اس کی طرف سے ناانصافی ہوگی۔ جب اللہ پر یہ یقین اور توکل ہے کہ وہ زیادتی نہیں کر سکتا تو پھر اپنے اوپر بھی یہ اعتماد اور یقین ہونا چاہیے کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے وہ میرے امتحان کے لیے ہے اور اسے امتحان کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ کم چیز دے کر امتحان لینا، یہ اللہ کی عدل و انصاف اور رحمت کی روش سے بعید ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو یہ اعتماد دینا چاہیے کہ ہم جو کام کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اس کے لیے لگ کر کوشش کریں خواہ وہ تقریر کرنا ہو، درس دینا ہو، تربیت کرنا ہو یا موثر انداز میں تنظیم چلانا اور مقررہ اہداف کا حصول ہو۔ کوشش ہی اصل چیز ہے۔ اس کے نتیجے میں جو بڑے بڑے کام مشکل نظر آتے ہیں وہ آسان ہو جاتے ہیں۔

☆ کام میں شرکت کا احساس:

تیسرا اصول ہے اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا۔ اس کے بغیر یک جان ہو کر ایک ٹیم کے انداز میں کام نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ جو صبح و شام سیرت النبی ﷺ کا یہ سبق پڑھتے ہیں کہ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودی جا رہی تھی اور حضور ﷺ خود بیلچہ لے کر پتھر اٹھا رہے تھے اور ہر موقع پر آگے آگے تھے، وہ آخر اس بات کو کیسے بھول سکتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا، کتنی اہم بات ہے۔ یہ اسوہ رسول ﷺ بھی ہے اور موثر تنظیم کا ایک اہم اصول بھی۔ شریک رہنا اور شریک کرنا، دراصل ایک راز ہے لوگوں کے جذبے کو متحرک رکھنے اور ان سے کام لینے کا۔

اس حوالے سے ایک سچا واقعہ جو کہ کفر کی دنیا سے متعلق ہے، اسلام کی دنیا سے نہیں، بڑا معنی خیز

ہے۔ امریکہ میں موٹر بنانے کا ایک کارخانہ تھا۔ اس کی پیداوار کم تھی اور نقصان زیادہ۔ مزدور بیماری یا بہت سے حیلے بہانے کر کے کام سے جی چراتے تھے اور چھٹیاں کرتے تھے۔ صرف ۶۰ فی صد مزدور کام پر آتے تھے۔ جاپان کی ٹویوٹا کمپنی نے اس کارخانے کو خرید لیا اور وہاں نئے اصول وضوابط نافذ کر دیے کہ افسر اور مزدور ایک ہی کنٹین سے کھانا کھائیں گے، ان کے غسل خانے اور بیت الخلاء الگ نہیں ہوں گے، اور اسی قسم کے چند دیگر اصول تھے۔ پہلے دن جب مزدور لائن میں آ کر ناشتہ لینے کے لیے کھڑے ہوئے تو امریکہ کی ٹویوٹا کمپنی کے صدر کا بیٹا بھی قطار میں کھڑا ناشتہ لے رہا تھا۔ صرف دو سال بعد ہی اس کمپنی کی پیداوار دگنی ہوگئی، منافع دگنا ہو گیا اور ۹۵ فیصد مزدور کام پر حاضر رہنے لگے۔

یہ مغربی دنیا کی کام میں شرکت کے احساس کے حوالے سے ایک مثال تھی مگر ہماری اپنی تاریخ اور سیرت النبی ﷺ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مشورے میں شریک کرنا، کسی کی بات نہ کاٹنا، لوگوں کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا، کہ وہ بولیں اور اپنی رائے دیں، یہ سب باتیں اسوہ رسول ﷺ میں ملتی ہیں۔

## اصلاح کا محرک:

اگلا اہم اصول، رپورٹ سسٹم اور احتساب سے متعلق ہے جو بہت اہم ہے۔ معاشرے میں اس کے مساوی چیزیں سی آئی ڈی اور پولیس کے نام سے مستعمل ہیں۔ رپورٹ سسٹم کا وہی کام ہے جو سی آئی ڈی کا ہے اور محاسبے کا وہی کام ہے، جو پولیس کا ہے۔ سی آئی ڈی اور پولیس دونوں ضروری ہیں مگر سی آئی ڈی اور پولیس کے بل پر کوئی معاشرہ متحرک نہیں ہو سکتا اور اس میں جان نہیں پڑ سکتی۔ اس کے ذریعے خرابیوں کو روکا تو جا سکتا ہے، ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی خوبیوں کو خاطر خواہ انداز میں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ رپورٹ سسٹم سے اگر خرابیوں کا اندازہ بھی ہو جائے تب بھی انہیں مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ محاسبے کا عمل خواہ کتنا ہی موثر ہو اور پوچھ گچھ کتنی ہی کی جائے، کام کو آگے بڑھانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو پاتا۔ پوچھ گچھ یا تفتیش کا کام دراصل پولیس کا کام ہے۔ ایک قائد، لیڈر اور

ناظم کا کام پولیس کی طرح پوچھ گچھ کرنا، یا سی آئی ڈی کے سے انداز میں رپورٹ لینا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کام افراد کی صلاحیتوں سے کام لینا، انہیں آگے بڑھانا اور متحرک کرنا ہوتا ہے۔ یہ صرف جذبہ ہی ہے جو کسی کام کو کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

حوصلہ افزائی وہ محرک ہے جو جذبوں کو ابھارتا، صلاحیتوں کو اجاگر کرتا اور کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر خلوص، محبت، خیر خواہی سے پیش آیا جائے اور حوصلہ افزائی کی جائے تو کارکنوں کی کارکردگی بہت بہتر اور تنظیم نہایت موثر ہو سکتی ہے۔

عام طور پر اصلاح کے لیے رپورٹ سسٹم اور احتساب و محاسبے پر زور دیا جاتا ہے۔ درحقیقت رپورٹ اور محاسبہ تو مسائل کے حل کے لیے آخری چیز ہے۔ جب خرابی پیدا ہو تو اس کو حرکت میں آنا چاہیے۔ اس سے پہلے بہت سے مراحل ہیں جن سے تحریک، ساتھیوں اور کارکنوں کو گزرنا چاہیے۔

اپنے ساتھیوں کی تربیت کرنا، خلوص و محبت اور خیر خواہی کے ساتھ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کام لینا، موثر تنظیم کے لیے یہی ساتواں اصول ہے۔

# نظم کی تعریف، ضرورت اور خصوصیات

## نظم کی تعریف:

جب بھی دو یا اس سے زائد افراد مل کر شعوری طور پر کسی کام کو کرنے کا قصد کرتے ہیں۔ ایک نظم وجود میں آجاتا ہے گویا کہ نظم دو یا اس سے زائد افراد کے اجتماعی کام کرنے کا نام ہے۔

نظم اور تنظیم کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے۔

نظم اور تنظیم سے مراد ارکان و افراد کا وہ مجموعہ ہے جو ایک خاص مگر متفق علیہ مقصد کے لیے ایک امیر کی اطاعت میں ایک مرکز کے تحت اصول وضوابط کی پابندی میں اصلاح معاشرہ، دعوت دین اور اقامت دین کے لیے منظم طریقے پر منصوبہ بندی کے ساتھ کام کر رہا ہو۔

## نظم کی خصوصیات:

☆ اس نظم کی سب سے اہم خصوصیت لوگوں کا ایک مقصد کے حصول پر اکٹھا ہونا ہے۔ جب تک کوئی ہدف یا مقصد نہ ہو نظم قائم نہیں ہو سکتا مثلاً ایک گھر کا نظم اس وقت قائم ہوتا ہے جب کہ دو افراد ایک ایسی جگہ کا قیام عمل میں لاتے ہیں جہاں وہ چین وسکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ اسی طریقہ سے اگر ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے تو اس کا مقصد معاشرے کے لوگوں کو علم سکھانا ہوتا ہے۔ اگر ایک دکان کا نظم قائم کیا جائے تو اس کا مقصد کسی خاص قسم کے اشیاء کی فروخت یا کسی قسم کی سہولت کا مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اگر ایک ہسپتال قائم کیا جائے تو اس کا مقصد بیمار لوگوں کا علاج کرنا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس جو بھی نظم قائم کیا جاتا ہے اس کی پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے سامنے ایک مقصد ہو جو اجتماعی زندگی کو تشکیل دیں کیونکہ انفرادی مقصد تحریک اور تنظیم کا مقصد نہیں ہو سکتا۔

☆ نظم کی دوسری خصوصیت اس کا استقلال ہوتا ہے۔ عام طور پر نظم کوئی عارضی یا وقتی چیز نہیں ہے بلکہ اس کو پائیدار بنیادوں پر ایک طویل مدت کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے وہ پہلے آنے والوں کے علم کو بعد کے لوگوں تک پہنچانے [illegible] ترقی کا دارومدار علم کی بتدریج

نسل در نسل اسی طریقہ سے منتقلی پر ہے۔ تحقیق کے معنی ہی یہ ہیں کہ بعد کے لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے علم سے استفادہ کریں۔ بعض خصوصی حالات میں نظم عارضی بھی ہوسکتا ہے مثلاً مسافرین کے گروہ کا نظم۔ ظاہر ہے یہ نظم سفر کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

☆ نظم کی تیسری خصوصیت اس میں افراد کی مختلف صلاحیتوں کا امتزاج ہے۔ جب ایک نظم قائم ہوتا ہے تو مختلف صلاحیت رکھنے والے افراد اکٹھے ہوتے ہیں اور ان صلاحیتوں کے ذریعہ وہ مقصد حاصل کر لیتے ہیں جو انفرادی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً اگر ایک ہسپتال قائم کیا جاتا ہے تو کچھ طبیب دل کے ماہرین، کچھ دماغ کے ماہرین، کچھ ہڈیوں کے ماہرین وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب مل کر پورے جسم کے علاج کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ اسی طریقے سے اگر ایک مدرسہ قائم کیا جاتا ہے تو مختلف علوم کے ماہر اساتذہ اکٹھے ہو کر جامع تعلیم دینے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

☆ نظم کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک مخصوص ڈھانچہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو اس نظم میں اپنے مقام کا پتہ ہوتا ہے۔ اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کیا فرائض ہیں اور کیا حقوق اور اختیارات ہیں۔ کن افراد کے کام کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے اور وہ خود کس کو جوابدہ ہے گویا کہ اس کا ذیلی نظم کیا ہے اور بالائی نظم کیا۔ بعض اوقات یہ ڈھانچہ بالکل دوٹوک اور واضح ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ دھندلا اور مبہم ہوتا ہے مگر اس صورت میں یہ نظم کی کمزوری بن جاتا ہے۔

☆ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر تنظیم اور اجتماعیت ہو کیونکہ ایک تحریک و تنظیم کے لیے نظم اور اجتماعیت لازمی عنصر ہے۔ جس کی وجہ سے اجتماعی جدوجہد اور کوشش ممکن ہو سکے۔

## نظم کی ضرورت:

نظم کی ضرورت کی اہم ترین وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ کام بہتر طریقہ سے ہوسکتا ہے۔ نظم کے ذریعہ کسی بھی کام کی کارکردگی، قوت اور حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ مشہور مثل ہے کہ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں یا پھر اس بوڑھے کی مثال کو لیجیے جس نے اپنے بچوں کو ایک ایک لکڑی توڑنے کو دی اور

انہوں نے توڑ دی اور پھر اس نے انہیں لکڑیوں کو یکجا کر کے اس گٹھے کو توڑنے کو کہا تو وہ نہ توڑ سکے

اسلام نے اسی لیے تفرقہ بازی کی سخت مذمت کی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو (آل عمران: ۱۰۳)

یہ تو قوت کی مثالیں ہوئیں۔ کچھ یہی حال کارکردگی اور حسن کا ہے چونکہ نظم میں مختلف صلاحیتوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں لہذا وہ سب مل کر کام کو بہت عمدہ طریقہ سے سرانجام دیتے ہیں مثلاً ان دو طالب علموں کا مقابلہ کیجئے جن میں سے ایک تو سارے علوم ایک ہی استاد سے حاصل کر رہا ہے اور دوسرا مختلف علوم کے ماہرین سے علم حاصل کر رہا ہو تو ظاہر ہے ان دونوں میں سے بہتر اور ارفع درجہ کا دوسرے طالب علم ہی کو حاصل ہوگا۔

نظم کی ضرورت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے مختلف افراد کو کام کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے ایک دفتر کی مثال لیجئے ایک صاحب صرف ٹائپ کر سکتے ہیں، دوسرے لکھ پڑھ سکتے ہیں، تیسرے چپراسی کا کام کر سکتے ہیں، چوتھے چوکیداری کا کام کر سکتے ہیں، پانچویں منتظم کا کام کر سکتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر یہ لوگ کسی مقصد کے نہیں مگر جب یہی لوگ اکٹھے ہوتے ہیں ایک دفتر کو چلانا شروع کر دیتے ہیں اور اس طریقہ سے ہر شخص کو وہ کام مہیا ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنی صلاحیت کے مطابق کر سکتا ہے۔

نظم کی ضرورت کی تیسری وجہ علم کو محفوظ کرنا اور اس کو آئندہ نسلوں کو پہنچانا ہے۔ اس کی بہت واضح مثال لائبریریاں ہیں جو ایک منظم طریقہ سے علم کو محفوظ رکھتی ہیں اور لوگ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

نظم کی ضرورت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات نظم کے بغیر اسی طرح کام نہیں ہو سکتا ہے۔ ڈاک کی ترسیل کا نظام لے لیجئے، جب تک ڈاک کو وصول کرنے۔ اس کو مختلف مقامات پر بھیجنے اور اس کی تقسیم کرنے کا نظام قائم نہیں ہوگا ڈاک ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتی۔ اسی طریقہ سے اگر

اپنی زندگی کے پورے دائرہ کار پر نظر دوڑائیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ بہت سے کام بغیر منظم ہوئے نہیں ہو سکتے۔

مختصر یہ کہ نظم کی ضرورت کی چار وجوہات سامنے آتی ہیں اول اس سے کام بہتر طریقہ سے ہو سکتا ہے، دوئم اس سے مختلف صلاحیتوں کے افراد کو کام کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، سوئم یہ علم کو منتقل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے اور چہارم بعض اوقات نظم کے بغیر کام نہیں ہو سکتا۔

نظم کے لوازم:

[الف] عمومی لوازم:

عمومی طور پر کسی بھی نظم کے چھ لوازم ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

[۱] منصوبہ بندی۔[۲] تنظیم۔[۳] افرادکار۔ [۴] ہدایت دینا۔[۵] باہمی رابطہ و تعاون۔[۶] رپورٹ دینا۔

[۱] کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کی مکمل منصوبہ بندی بہت ضروری ہے اس میں درج ذیل سوالوں کے جواب مہیا کرنا ہوتے ہیں۔

☆ کام کس طریقہ سے ہوگا؟

☆ اس کو کون کرے گا؟

☆ اس کو کب کیا جائے گا؟

☆ اس کو کرنے میں کیا مسائل پیش آ سکتے ہیں اور ان کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

☆ اس میں کتنا کرچ آئے گا؟

☆ اس کے لئے وسائل کہاں سے مہیا ہوں گے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ میزانیہ بنانا یعنی منصوبہ بندی ہی کا حصہ ہے۔

☆ کام کے صحیح یا غلط ہونے کی جانچ پڑتال کون کرے گا؟

[۲] تنظیم میں اس کام کو کرنے کے لئے ایک ڈھانچہ ترتیب دینا، اس ڈھانچہ میں مختلف مناصب کے لئے فرائض ذمہ داریاں، اختیارات وحقوق کا تعین کرنا، کون کس کو جوابدہ ہے اور کس کے لئے ذمہ دار ہے، کتنے محکمے ہوں گے، ان کا آپس میں کیا تعلق ہوگا، ان کے باہم کام کرنے کا طریقہ کار کیا ہوگا، وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں شامل ہوں گی۔

[۳] افرادکار میں سے اس کام کو کرنے کے لئے مناسب افراد کا چناؤ، ان کی تربیت، ان کے کام کی نگرانی، ان کو مراعات مہیا کرنا، ان کے مسائل کو حل کرنا یہ باتیں شامل ہوں گی۔

[۴] ''ہدایت دینا'' میں کسی کام کو الف سے لے کر ی تک کرانا شامل ہے۔ اپنے کسی کام کی منصوبہ بندی کی، اب یہ دیکھنا کہ وہ کام منصوبہ بندی کے مطابق ہو رہا ہے یا کچھ مسائل پیش آ گئے ہیں اور اگر ایسا ہے تو ان کو کیسے حل کیا جائے۔ یہ وہ معاملات ہیں جو ہدایت دینے کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس میں قیادت کا جو کردار ہے وہ بہت اہم ہے، مگر اس پر انشاء اللہ بعد میں تفصیل سے گفتگو ہوگی۔

(۵) باہمی رابطہ وتعاون کے تحت یہ ذمہ داری ہے کہ مختلف شعبوں اور افراد کو ایک دوسرے کے کام، مسائل، ضروریات اور رفتار کار سے آگاہ رکھا جائے۔ ظاہر ہے سب لوگ ایک مقصد کے حصول کے لئے کام کر رہے ہیں اور جب تک ان کو اس بات کا پتہ نہ ہو کہ اسی نظم کے دوسرے لوگ کس انداز میں کام کر رہے ہیں وہ ایک باہم مربوط مشین کی طرح کام نہیں کر سکتے۔

(۶) آخری لازمہ کام کے متعلق مختلف قسم کی رپورٹیں تیار کرنا ہے۔ جن سے منتظمین کو اس بات کا بروقت علم ہوتا رہے کہ آیا کام صحیح طریقہ پر ہو رہا ہے، مقررہ منصوبہ کے مطابق ہو رہا ہے، اس میں کیا مسائل اور مشکلات پیش آ رہے ہیں، اس پر خرچ میزانیہ کے مطابق ہے کہ نہیں، کارکردگی کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

(ب) خصوصی لوازم

درج بالا تو وہ لوازم ہیں جو کسی بھی نظم میں ہونا ضروری ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ اسلامی نظم ہے یا

نہیں۔البتہ اگر کوئی نظم اسلامی ہے تو اس میں چند مزید باتوں کا ہونا اشد ضروری ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱) صحیح مقصد (۲) اخلاص (۳) تقوی (۴) اخوت (۵) شورائیت (۶) احتساب

☆ کسی بھی اسلامی نظم کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے اور وہ ہے رضائے الٰہی کا حصول۔ یہ وہ بات ہے جس کو قرآن میں لوجہ اللہ، اللہ کے لئے کہا گیا ہے۔ باقی سارے مقاصد مثلاً دعوت دین، شہادت حق، اقامت دین اس مقصد کے ذیل میں تو ہو سکتے ہیں مگر اس سے ماورا نہیں ہو سکتے ورنہ اس نظم کی ساری کاوش ضائع ہو جائے گی۔

☆ اسلامی نظم کا دوسرا خصوصی لازمہ اخلاص ہے۔ اس کے کسی پہلو سے ریا یا نفاق کا اظہار نہیں ہونا چاہیے۔ دین کا مطالبہ بھی یہ ہی ہے۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ

اللہ کی بندگی کرو، دین کو اس کے لئے خالص کر کے۔ (الزمر۔ آیت ۲)

اس نقطہ نظر سے نظم کے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔

☆ تیسری چیز جو اسلامی نظم کو غیر اسلامی نظم سے ممیز کرتی ہے وہ تقویٰ ہے۔ جس کے معنی اللہ کے احکام کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ (آل عمران: آیت: ۱۰۲)

کسی بھی اسلامی نظم کو اس بات کا خیال کرنا ہوگا کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی نافرمانی سے بچے اور جو کام بھی کرے شریعت کے اصولوں کے مطابق ہو خلاف نہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے سود کے لین دین کی سخت ممانعت کی ہے۔ اب اگر کوئی نظم سود کے نظام پر قائم ہے تو وہ اسلامی نظم نہ ہوا۔ وغیرہ۔

☆ اسلامی نظم کا چوتھا خصوصی لازمہ اخوت کا جذبہ ہے۔ قرآن کہتا ہے

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ

بیشک مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں (حجرات:۱۰)

چنانچہ ایک اسلامی نظم کے افراد کے درمیان بھائی چارہ قائم ہوگا۔ یہ ضرور ہے کہ ڈھا
مناسبت سے کوئی اعلیٰ مقام پر ہوگا اور کوئی کم تر پر مگر بہر حال ان کے درمیان رشتہ اخوت ہی کا ہو
ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ میں اسی چیز کا اظہار کیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

کوئی شخص ایمان نہیں لاتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے
ہے (انسؓ: متفق علیہ)

یہ وہ اخوت کا پیمانہ ہے جس پر ایک اسلامی نظم کو پورا اترنا ہوگا۔

☆ اسلامی نظم کا اگلا خصوصی لازمہ شورائیت ہے۔ قرآن نے مومنین کی اس صفت کو یوں بیا
ہے۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

وہ آپس میں معاملات میں مشورہ کرتے ہیں (شوریٰ:۳۸)

اس شورائیت کی سنت کو قائم کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا۔

وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ

معاملات میں ان صحابہ سے مشورہ کیجئے (آل عمران:۱۵۹)

چنانچہ ایک اسلامی نظم میں ہر سطح پر شورائیت کا قیام بہت ضروری ہے۔

☆ اسلامی نظم کا ایک اور خصوصی لازمہ احتساب کا نظام ہے۔ اس نظم میں ہر ذمہ دار کا اح
مناسب طریقہ سے ہونا چاہیے۔ احتساب کے لئے جامع ہدایت نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان م
کہ:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ

ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے (ابو ہریرہؓ: مشکوٰۃ)

یعنی وہ اس کی کیفیت بے کم و کاست اس سے بیان کرتا ہے اور اس کو مشتہر نہیں کرتا۔ یہ احتساب صلاح کے جذبہ کے ساتھ اور پورے برادرانہ جذبہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہونا چاہیے۔ اس کا واحد مقصد تعمیری ہونا چاہیے اور اس میں قطعاً کسی استہزا یا طعن، تنقید برائے تنقید اور انتقامی کا پہلو نہیں ہونا چاہیے۔

تنظیم اور اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والی باتیں جن سے اجتناب ضروری ہے

اگر آپ کسی اجتماعیت کو تباہ کرنا چاہتے ہوں تو۔۔۔۔۔۔۔!!

اس کے اجتماعات میں شریک ہونے سے گریز کیجئے۔ مختلف مصروفیات کی آڑ لے کر شرکت سے بچنے کے بہانے تراشیے۔ اگر کسی اجتماع میں شرکت کرنی ہی پڑے تو دیر سے پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ اگر آپ کو کسی وجہ سے درس اور اجتماع کی بروقت اطلاع نہ دی جا سکے تو ذمہ دار حضرات کو لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ٹھہرایئے۔ اجتماعات کے اندر ذمہ دار افراد پر کھلے عام، کڑی تنقید اور نکتہ چینی کیجئے۔ انتظامات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا نہ بھولئے۔ بھول کر بھی کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہ کیجئے۔ کسی قسم کا کوئی کام ہرگز نہ کیجئے۔ ہاں کام کرنے والوں پر تنقید ضرور کیجئے۔

اگر آپ سے کسی مسئلہ پر رائے لی جائے تو ہمیشہ اپنا نکتہ نظر پیش کرنے سے گریز کیجئے اور بعد میں لوگوں سے یہ ضرور کہیے کہ اس کام کو یوں ہونا چاہیے تھا، یوں نہیں۔ اول تو مالی اعانت کبھی نہ کیجئے اور اگر مجبوراً کرنی ہی پڑ جائے تو کم سے کم دیجئے، مگر سہولتیں اور آسانیاں زیادہ سے زیادہ حاصل کیجئے۔

دوسروں کی ذات پر تنقید کا سنہری موقع کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیجئے۔ ہمیشہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی تاک میں لگے رہیے۔

ان نہایت ہی سادہ اور زریں اصولوں پر عمل کر کے دیکھیے۔ ان شاء اللہ آپ کم سے کم وقت میں کسی بھی منظم تحریک کے تار و پود نہایت آسانی سے بکھیر کے رکھ دیں گے۔

اور۔۔۔۔۔۔۔!!!

اگر آپ کسی اجتماعیت کے ساتھ مخلص ہیں، اس کو روز بروز ترقی کرتے اور منظم ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں تو ان اصولوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دیجئے۔

## خاکہ

نظم، اس کی ضرورت اور اس کے لوازم

نظم کی تعریف اور اس کی خصوصیات

الف۔ تعریف

ب۔ خصوصیات

مقصدیت، استقلال، مختلف صلاحیتوں کا امتزاج، ڈھانچہ

**نظم کی ضرورت:**

الف۔ کام بہتر طریقہ سے ہوتا ہے (کارکردگی، قوت، حسن)

ب۔ کام کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔

ج۔ علم کو محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے کا ذریعہ

د۔ بعض اوقات کام کے حصول کا واحد ذریعہ

**نظم کے لوازم:**

الف۔ عمومی

منصوبہ بندی (Planning)

تنظیم (Organization)

افرادکار (Staffing)

ہدایت دینا (Directing)

رابطہ و تعاون (Coordinating)

رپورٹ تیار کرنا (Reporting)

ب۔ خصوصی

صحیح مقصد

اخلاص

تقویٰ

شورائیت

احتساب

## مثالی حلقہ

### حلقہ کی تعریف:

حلقہ سے ہماری مراد کسی بھی نظم کی وہ سب سے چھوٹی بنیادی اکائی ہے جو ایک خاص جغرافیائی حدود میں نظم کے مقاصد کے حصول کے لئے عمل پیرا ہو اور اس میں ارکان کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تعداد مقرر ہو۔

تحریک اسلامی تحریک میں حلقے کا ہدف رب کی رضا کا حصول ہونا چاہیے۔ اس کے مقاصد صحیح اور حق و سچ دین کو اپنانا، دعوت کو عام کرنا اور اپنے خطے میں تحریک اسلامی کی مدد کرنا ہوں گے۔

### ایک مثالی حلقے کے کام:

ایک مثالی حلقہ کے بنیادی تین کام ہے۔ (۱) تنظیم (۲) دعوت اور (۳) تربیت گا۔ ذیل میں ہر کام کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

### تنظیم:

اس سلسلے میں سب سے اہم کام منصوبہ بندی کا ہے۔ مناسب منصوبہ بندی کے لئے کیوں، کیسے،

کب، کہاں، سے کون، اور کیا، کے سوالات کئے جانے چاہئیں۔ کیوں کے جواب میں کام کے اہداف اور مقاصد کا تعین ہوگا۔ کیسے کے جواب میں مختلف طریقے اور ان کے وسائل واضح ہوں گے۔ کب وقت کو مقرر کرے گا۔ کہاں سے مطلوب اور موجود کا فرق واضح کرے گا کون ذمہ داری کی نشاندہی کرے گا اور کیا کام کا تجزیہ اور اس کی اصلاح کرے گا۔

☆ کسی حلقہ میں اہم ترین کام دعوتی اجتماعات یا اجلاس کا انعقاد ہے۔ اول اس کے لئے جگہ کا تعین کیا جائے پھر وہاں پر مناسب سہولتوں کا بندوبست کیا جائے بیٹھنے کی جگہ لاؤڈ اسپیکر، مشروبات وغیرہ۔ مدرس (مقرر) کا پیشگی بندوبست کیا جائے گا۔ ان کو چند دن پہلے یاددہانی کرائی جائے۔ ان کی غیر حاضری کی صورت میں متبادل کا بندبست رکھا جائے۔ پروگرام کی جگہ پر مناسب کتب وکیسٹ کی لائبریری (سٹال) قائم کی جائے اور اس لائبریری کے لئے کسی کو ذمہ دار بنایا جائے۔

☆ حلقہ کا دوسرا اہم کام تنظیمی اجتماعات یعنی اجلاس کا انعقاد ہے۔ یہ اجتماعات نظم سے متعلق کام کا جائزہ لینے کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں۔ مثلاً انفرادی رپورٹوں کا جائزہ کام کی رفتارکار کا جائزہ ناظم کا احتساب وغیرہ۔ ان اجتماعات کے لئے پیشگی جگہ وقت اور ایجنڈا تیار ہونا چاہیے اور شرکاء کو وقت کی پابندی کرنی چاہیے۔ نیز ان کو ایجنڈے کی مناسبت سے بھرپور تیاری کر کے آنا چاہیے۔

یہ بھی بات اہم ہے کہ ہر حلقہ میں ایک مالیات کا نظم قائم ہو۔ ایک رکن اس کا ذمہ دار ہو۔ وہ حلقہ میں رقوم کی آمد وخرچ کا مکمل حساب رکھتا ہو اور وقتاً فوقتاً مالیات کی رپورٹ پیش کرتا ہو۔

حلقہ کے نظم کا بالائی نظم سے بہت مضبوط ربط رہنا چاہیے۔ بالائی نظم حلقہ کو مختلف نوعیت کی ہدایات دیتا ہے مثلاً بنیادی نصاب، ماہانہ نصاب، خصوصی پروگراموں وغیرہ کا تعین۔ اسی طریقہ سے حلقہ اپنی کارکردگی کی رپورٹ پابندی سے بالائی نظم کو دیتا ہے۔

دعوت:

حلقہ کے اندر دعوت کو پھیلانے کے لئے درج ذیل طریقے اپنائے جانے چاہئیں۔

☆ انفرادی ملاقات یعنی گشت، دعوتی وفود، تبلیغی کیمپ

اس طریقہ سے دین کی دعوت اعزا و اقرباء دوست و احباب دفتر کے ساتھی، پڑوسیوں، مسجد کے ساتھی، بازار کے دوکانداروں وغیرہ تک پہنچانی چاہیے۔ ظاہر ہے یہ کام بہت حکمت سے کرنا ہے۔ قرآن کی ہدایت ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

''اللہ کے راستے کی طرف دعوت و حکمت اور موعظہ حسن کے ساتھ''۔ (نحل:۱۲۵)

ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کی موٹی موٹی بنیادی باتوں کی دعوت دی جائے اور مسلکی، دیگر اختلافی امور اور غیر اہم سے پرہیز کیا جائے، البتہ داعی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ملکی معاملات، بین الاقوامی حالات اور معاشرتی مسائل سے کما حقہٗ آگاہ ہو اور تحریکی نقطہ نظر پیش کر سکتا ہو۔ اور دعوت کے اصول اور طریقہ کار سے باخبر ہو۔

☆ دعوتی اجتماعات اور دروس قرآن کا انعقاد:

کسی بھی حلقہ میں یہ اجتماعات پابندی سے منعقد کئے جانے چاہئیں۔ اس بات کی کوشش کی جائے کہ لوگوں کو خود جا کر پروگرام میں شرکت کے لئے لایا جائے۔ اگر کوئی شخص پہلے سے آرہا ہے اور کسی وجہ سے کسی اجتماع میں حاضر نہ ہوسکا تو پروگرام کے بعد اس کے پاس جا کر اس سے غیر حاضری کی وجہ دریافت کرنی چاہیے۔ ممکن ہے وہ بیمار ہو گیا ہو یا اس کو اور کوئی عذر پیش آ گیا ہو۔ اس سے اس پر اچھا تاثر قائم ہوگا اور اس کو احساس ہوگا کہ منتظمین کے نزدیک اس کی اہمیت ہے۔ جو لوگ اجتماع میں شریک ہوں ان سے اجتماع کے اختتام پر پروگرام کے متعلق ان کے تاثرات لئے جائیں اور پروگرام میں کوئی خامی نظر آئے تو اس کو دور کیا جائے۔ اپنے ارکان کے لیے درس قرآن (خاص) اور عام لوگوں کے لیے عام درس قرآن کا اہتمام ضروری ہے ہر حلقے اور مقام پر عام درس قرآن کا روزانہ اہتمام ضروری ہے۔ اگر کسی مقام پر روزانہ ناممکن ہو تو ہفتہ وار درس کا انعقاد تو ضروری ہے۔

☆ اہداف سے ربط

تحریک سے باہر ہر وہ شخص جس کو کسی خاص تحریکی مقصد کے تحت متعین کرلیا جائے ہمارا ہدف ہے۔ مثلاً متاثر، معاون، متفق وغیرہ۔ان اہداف سے پابندی سے ملاقاتیں کرنا ضروری ہیں۔ان سے ٹیلی فون پر رابطہ رکھا جائے، ان کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لی جائے، ان کی مشکلات میں ان کی مدد کی جائے، ان کو کبھی کبھی کھانے کی دعوت دی جائے ان کو پڑھنے اور سننے کو متعینہ دعوتی وتحریکی کتب، کیسٹ اور سی ڈی دیئے جائیں۔ان کو پروگراموں میں شریک کرایا جائے، ان کو ذمہ داران سے ملوایا جائے اور ان کے اہل خانہ اور تحریکی اہل خانہ (تنظیمی خواتین) کے درمیان روابط پیدا کئے جائیں اور خواتین دروس اور پروگراموں میں شمولیت یقینی بنایا جائے۔اپنے اہداف کو تحریکی معاملات میں اعانت پر ابھارنا چاہیے۔ان کی جو بھی صلاحیتیں ہوں ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ان کو تحریک کی خصوصی اپیلوں سے آگاہ رکھا جائے۔

جب ایک ہدف کو تعاون کرتے ہوئے کچھ عرصہ گزر جائے تو اس کو رکن بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس کے لئے اس کو نماز اور دیگر ارکان اسلام کا پابند بنایا جائے، درس قرآن میں شریک کرایا جائے۔کبائر سے بچنے کی تلقین کی جائے۔تحریک کا متعینہ مواد اس کے زیر مطالعہ لایا جائے۔اس کو تنظیمی اور دیگر پروگراموں میں شریک کیا جائے غرض کہ اس کو ذہناً اور فعلاً ہر طریقہ سے شمولیت کے لئے تیار کیا جائے۔

حلقہ کے اندر رفاہی کام:

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ دعوت کو پھیلانے کا ایک بہت موثر ذریعہ رفاہی کاموں کا کرنا بھی ہے۔یہ ہی مسنون طریقہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ بعثت سے پہلے ہی اخلاق کی اعلیٰ ترین مثال قائم کر چکے تھے۔قرآن نے اس کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔(القلم:۴)

اور آپ بے شک اعلیٰ اخلاق پر فائز ہے۔

آپ ﷺ ایک امین، ہمدرد اور مخلص انسان کی حیثیت سے معاشرے میں معروف تھے۔ یہ سنت اپنائی جائے۔ معاشرہ کے عوامی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، لوگوں کے دکھ درد میں ان کے کام آیا جائے۔ مریضوں کی عیادت کی جائے، جنازوں میں شرکت کی جائے، خوشیوں پر مبارک باد دی جائے، اگر وہ مشورہ چاہیں تو پر خلوص مشورہ دیا جائے اور خود اپنے کردار سے اپنے آپ کو مرجع خلائق بنایا جائے۔ اسی تناظر میں ایک داعی اور تحریکی کارکن اور ذمہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ جذبہ خدمت خلق سے سرشار ہوکر معاشرہ کے لوگوں کو اس خدمت کے ذریعے اپنی دعوت حق کی طرف مائل کرے۔ خدمت سے معاشرہ میں اپنا مقام بنائے، تو لوگوں کا اس پر اعتماد بن جائے گا اور لوگ اس کو اپنا رہنما اور امام مان لیں گے۔ پھر لوگ اس طرح کے داعی اور اسلامی کارکنوں کو اپنا دل تک دے دیتے ہیں تب وہ داعی اپنی دعوت حق کا بیج ان کے دلوں میں بو سکتا ہے اور اس طرح معاشرہ میں ایک صالح انقلاب برپا ہو سکے گا۔

## دیگر طریقے:

درج بالا طریقوں کے علاوہ دین کی دعوت پہنچانے کے لئے اور بہت سے دوسرے طریقے اپنائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً جلسہ عام، کارنر میٹنگ، پکنک، ٹوورز، عید ملن پارٹی، ادبی پروگرام، طعام پارٹی، اہل خانہ کو دروس وغیرہ۔ ایک داعی کو وقت اور موقعہ کی مناسبت سے ان میں سے کسی بھی نوعیت کے پروگرام سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہیے۔

## تربیت:

ہر حلقہ میں ارکان، متفقین، معاونین و متاثرین کی مناسب تربیت کا نظام قائم ہونا بہت ضروری ہے۔ افکار سیرت اور ذمہ داریوں کی انجام دہی کی اس تربیت کو درج ذیل طریقوں سے کیا جا سکتا ہے۔

متاثر اور متفق پر مطالعاتی نصاب مطالعہ کرایا جائے، دروس قرآن میں شامل کیا جائے۔ رکن بننے پر ہر شخص کو ایک بنیادی نصاب سے گزارا جائے۔ اس کے علاوہ ان کو پابندی سے ماہانہ نصاب دیا جائے اور اس کا جائزہ لیا جائے۔ تنظیمی اجتماعات اور اجلاسوں میں ان سے پابندی سے انفرادی تربیت کی

رپورٹ طلب کی جائے۔کوئی کمزوری نظر آئے تو ان کا بروقت مگر مناسب انداز میں احتساب کیا جائے اور سمجھایا جائے۔ان کے اوپر ذمہ داری ڈال کران کی عملی تربیت کی جائے۔ناظمین ان سے انفرادی ملاقاتیں کرتے رہیں۔ان کے لئے خصوصی تربیتی پروگرام مرتب کئے جائیں۔مثلاً قرآن فہمی کلاس، قرآن ناظرہ کلاس، تجوید کی کلاس، قرآن حفظ کی کلاس، اسٹڈی سرکل، مذاکرہ، ورکشاپ، مدرسین کی تربیت کے پروگرام وغیرہ وغیرہ۔ان پروگراموں میں متفقین معاونین ومتاثرین کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے اوران کے لئے الگ سے خصوصی پروگرام بھی مرتب کئے جاسکتے ہیں۔

## خاکہ

### مثالی حلقہ

۱۔حلقہ کی تعریف

☆ نظم کی بنیادی اکائی

☆ جغرافیائی حدود

☆ کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ ارکان

۲۔ حلقہ کے ہدف اور مقاصد

☆ ہدف۔رب کی رضا کا حصول

☆ مقاصد۔حق وسچ دین کو اپنانا

☆ دعوت کو پھیلانا

☆ تحریک کی مدد کرنا

۳۔ حلقہ کے کام

تنظیم۔دعوت۔تربیت

تنظیم

الف۔ منصوبہ بندی

☆ کیوں (اہداف ومقاصد)

☆ کیسے (مختلف طریقے۔ضروری مسائل)

☆ کب (وقت کا تعین)

☆ کہاں سے (مطلوب وموجود کا فرق)

☆ کون (ذمہ داران)

☆ کیا کیا (تجزیہ واصلاح)

ب۔ دعوتی اجتماعات

☆ جگہ کا تعین

☆ سہولتوں کا حصول

☆ مدرس (مقرر) سے وقت اور ان کی غیر حاضری میں لوگوں کو یاد دلانا

☆ لائبریری کا قیام

☆ وقت کی پابندی

ج۔ تنظیمی اجتماعات

☆ جگہ وقت ایجنڈا، وقت کی پابندی

د۔ مالیات کا نظم

ہ۔ بالائی نظم سے ربط

بنیادی نصاب ماہانہ نصاب، خصوصی پروگرام کارکردگی کی رپورٹ، دعوت

الف۔ انفرادی ملاقات، دعوتی وفد، تبلیغی کیمپ

☆ اعزا، دوست، دفتر کے ساتھی، پڑوسی، مسجد کے ساتھی، دوکاندار، موٹی موٹی باتیں اور اختلافی

امور سے گریز۔

ب۔ دعوتی اجتماعات

☆ ساتھ لانا، نہ آنے پر پوچھنا، پروگرام کے بعد تاثرات

ج۔ اہداف سے ربط

## ہدف کی تعریف:

☆ ملاقاتیں، ٹیلی فون کھانے کی دعوت، معاملات میں دلچسپی ذاتی مدد، کتب وکیسٹ پروگراموں میں شرکت، ذمہ داران سے ملوانا، اہل خانہ کا ربط، رکن بنانے کی کوشش

د۔رفاہی کام

☆ عیادت، جنازہ میں شرکت، تکالیف میں کام آنا، خوشی کے موقع پر مبارکباد پرخلوص مشورہ خودمرجع خلائق بن جانا

ح۔دیگر طریقے

☆ جلسہ عام، کارنر میٹنگ، پکنک، عیدملن، ادبی پروگرام، اہل خانہ کا دروس۔

تربیت:

الف۔کس کی؟

☆ ارکان، متفقین، معاونین، متاثرین۔

ب۔کس چیز کی؟

☆ افکار، سیرت، ذمہ داریوں کی انجام دہی

☆ ذرائع

☆ بنیادی نصاب

☆ ماہانہ نصاب

☆ انفرادی تربیت کی رپورٹ

☆ ذمہ داری ڈال کر

☆ انفرادی ملاقات

د۔ خصوصی پروگرام

☆ درس قرآن کلاس

☆ قرآن ناظرہ کلاس

☆ تجوید کی کلاس

☆ قرآن حفظ کی کلاس

☆ اسٹڈی سرکل

☆ مذاکرہ

☆ ورکشاپ

☆ تربیت مدرسین

## ناظم حلقہ

**ناظم حلقہ کی تعریف:**

سب سے پہلے ہم حلقہ کا مفہوم سمجھ لیں۔ حلقہ سے ہماری مراد کسی بھی تنظیم کی وہ بنیادی [سب سے چھوٹی] اکائی ہے جو نظم کے مقاصد کے حصول کے لئے ایک خاص جغرافیائی حدود میں عمل پیرا ہو، اس حلقہ کے سربراہ کے لئے ہم ناظم کا لفظ استعمال کریں گے۔

**ناظم کی اہمیت اور اوصاف:**

حلقہ کے ارکان میں ناظم کی حیثیت اولی الامر کی ہے۔ اس کی دوسری اہمیتوں اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہم قائد کی اہمیت اور اوصاف کے ذیل میں کر چکے ہیں۔ کسی بھی ناظم یا امیر کے لئے

اُن اوصاف کا اطلاق ہوگا۔ (حسب ضرورت ان خصوصیات واوصاف کو یہاں بیان کیا جاسکتا ہے)

## ناظم کی ذمہ داریاں:

ہم قائد کی ذمہ داریوں کے تحت درج ذیل پانچ زمروں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

۱۔اشتراک عمل ۲۔رابطہ وملاقات ۳۔مسائل کا حل ۴۔ضروریات اور سہولیات کی فراہمی ۵۔فساد نظم کو روکنا

ہم نے قائد کے عنوانات کے تحت عمومی ذمہ داریاں بتائی تھیں، یہاں ہم حلقہ کے تعلق سے انہی ذمہ داریوں کی واضح نشاندہی کریں گے۔

## اشتراک عمل:

☆ منصوبہ بندی: سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اس کی مکمل منصوبہ بندی میں اپنے حلقہ کے ارکان کو اعتماد میں لیا جائے اور فیصلے میں ان کو شریک رکھا جائے۔ارکان کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے ماہرین پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو اپنی تجاویز پیش کرے اور اس پر سیر حاصل گفتگو ہو۔منصوبہ سازی کے لئے دیکھئے مثالی حلقہ۔

☆ تنظیمی اجتماعات:

منصوبوں پر غور وخوض اور دیگر تنظیمی امور (جیسے مختلف افراد و ناظمین کی رپورٹ کا جائزہ) کے لئے وقتاً فوقتاً تنظیمی اجلاس اور اجتماعات منعقد کیے جائیں،ان میں متعلقہ ارکان کی شرکت لازمی کی جائے، باقاعدہ حاضری کا ریکارڈ ہو اور اگر کوئی نہیں آسکا ہے تو وجہ معلوم ہونی چاہیے اور کوشش کی جائے کہ آئندہ اس کا کوئی حل نکل آئے۔اجلاس میں شرکت وقت کی پابندی کے ساتھ ہو اور ارکان پر وقت کی پابندی کے لئے زور دیا جائے۔

اجلاس اور تنظیمی اجتماع میں ناظم کی ذمہ داری ہے کہ نظم وضبط برقرار رکھے۔ ہر شخص کو بولنے کا موقع دے اور کسی کو بے موقع اور بلا اجازت نہ بولنے دے، فیصلہ کرتے وقت باہمی مشاورت کا اصول

اپنائے اور ہر ایک سے مشورہ لے اور کثرت رائے سے فیصلہ کرے: اللہ کا فرمان ہے کہ:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ:۳۸)

''اور وہ آپس میں مشورہ سے فیصلہ کرتے ہیں''۔

دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے مثالی حلقہ

☆ ذمہ داریوں کی تقسیم: اشتراک عمل کا تیسرا پہلو ذمہ داریوں کی تقسیم ہے۔ جسے مشورہ سے کوئی فیصلہ ہو جائے تو اس پر عمل درآمد کے لئے ناظم کو چاہیے کہ ذمہ داریاں اپنے ارکان میں تقسیم کرے۔ یہ تقسیم مستقلاً یا بوقت ضرورت ہو سکتی ہے۔ مستقلاً کام کے لئے نائب ناظم یا ناظم مالیات یا ناظم مکتبہ مقرر ہو سکتے ہیں۔ ناظم وقتاً فوقتاً ان کے کام کا جائزہ لیتا رہے اور جہاں ضرورت محسوس کرے وہاں مشورہ و ہدایت دے کیونکہ کام کے بننے اور بگڑنے کی ذمہ داری ناظم پر ہی ہے۔ جب کام کی رفتار کا جائزہ لے تو اس کے حسن و قبیح پر ذمہ دار ارکان سے گفتگو اور مشورہ ضرور کرے۔ عمل یا پالیسی میں تبدیلی لاتے وقت ذمہ دار ارکان کو اعتماد میں لے، اس طرح کہ گویا یہ انہی کا فیصلہ ہے۔ جہاں اختلاف رائے ہو اور موقع و محل اس کا تقاضہ کرتا ہو وہاں ذمہ داری بدلی جا سکتی ہے یا ہٹائی جا سکتی ہے کیونکہ تحریک کے مقصد اور مقام کو فوقیت حاصل ہے اور اسے کسی نقصان سے بچانا لازم ہے۔

☆ نظم بالا کے فیصلے:

اشتراک عمل کا چوتھا پہلو نظم بالا کے فیصلوں پر عمل درآمد ہے۔ یہ فیصلے تمام ارکان کو بتائے جانے چاہیے، ان کی افادیت پر روشنی ڈالی جانی چاہیے، اس پر عمل درآمد کے لئے ارکان میں جذبہ بیدار کیا جائے اور ان کو ذمہ داریاں تفویض کی جائیں۔

☆ نائبین کا تقرر:

بہت سے امور اور کام مستقلاً انجام دئے جاتے ہیں۔ ایسے کاموں کی انجام دہی میں اشتراک عمل کا بہترین طریقہ مستقلاً مسئولین یا نائبین کا تقرر ہے۔ خاص طور سے نیابت کا عمل نافذ ہونا

چاہیے۔ پورے حلقہ کے مستقل کاموں کے لئے ناظم کا ایک نائب بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس نائب کو ہر معاملہ میں گفتگو، فیصلہ اور عمل درآمد کے تمام مرحلوں میں شریک رکھنا چاہیے۔ اس طرح اس کی تربیت بھی ہوتی ہے اور اس میں اعتماد بڑھتا ہے۔ مستقل امور میں مالیات ایک اہم شعبہ ہے۔ اس کے لئے ایک باقاعدہ ناظم مالیات یا بیت المال ہونا چاہیے۔ اس کا کام حلقوں کی امانتوں اور مختلف فنڈ کا حساب کتاب رکھنا ہے۔ وقتاً فوقتاً اپنے حساب و کتاب کو کسی دوسرے ماہر مالیات سے آڈٹ کراتا رہے۔ ناظم مالیات اور ناظم حلقہ دونوں کا ہی کام ہے کہ اعانت اور فنڈ میں اضافہ کی کوشش کرے اور اس کے لئے وسائل تلاش کرے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خود بڑھ چڑھ کر انفاق کرے۔ نمونہ بن کر اپنے کارکنان کو متاثر کرے۔ ساتھ ہی ساتھ کارکنان معاونین اور متاثرین کو بھی انفاق میں اضافہ کرنے کی تحسین و ترغیب دے۔

## ربط و ملاقات:

حلقہ کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے ایک ناظم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین طرف رابطہ رکھے اور اسے ٹوٹنے نہ دے۔ پہلی سمت نظم بالا ہے۔ دوسری سمت حلقہ ہے جس کا وہ ناظم ہے اور تیسری سمت برابر کی سطح پر دوسرے نظم ہیں۔ اب ہم ایک ایک کر کے ان تینوں سمتوں میں اس کی ذمہ داریوں پر گفتگو کریں گے۔

[ا] نظمِ بالا کے ساتھ رابطہ: ناظمِ حلقہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نظم بالا سے رابطہ رکھے، حلقہ کی کارکردگی کے بارے میں ناظم بالا سے وقتاً فوقتاً ملاقات کرے اور ان سے مشورہ لے اور رفتار عمل سے ان کو باخبر رکھے۔

دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ نظم بالا کے تنظیمی اجتماعات اور اجلاسوں میں حلقہ کی کارکردگی کی مکمل رپورٹ دے۔ ان پر تبصرے اور مشورہ کو نوٹ کرے۔ وضاحتیں پیش کرے اور پھر ان تبصروں کی روشنی یا ہدایات کے تحت کارکردگی کو بہتر بنائے۔ تبصرے اور ہدایات کو اپنے حلقہ کے ارکان تک پہنچائے۔

دوسرے حلقوں کی رپورٹوں سے استفادہ کرے۔ فوری فیصلوں یا ہدایات کو نوٹ کرے اور عمل درآمد کرائے۔

(۲) حلقہ کے ارکان و معاونین و متاثرین سے رابطہ: ناظم کے لئے یہ ضروری ہے کہ تنظیمی یا دعوتی یا تربیتی اجتماعات کے علاوہ بھی اپنے ارکان وغیرہ سے رابطہ رکھے۔ وقتاً فوقتاً ان سے بالمشافہ ملاقات ضرور کرے۔ ان کے ساتھ تنظیمی مسائل پر گفتگو کرے اور ان کا نقطہ نظر سمجھنے کی کوشش کرے۔ جب ملاقات ممکن نہ ہو اور باتیں ریکارڈ پر بھی لانا ضروری ہو تو ہدایات اور اطلاعات تحریری طور پر ارکان کو بھجوائے۔ نئے ارکان سے خصوصی رابطہ رکھے ان کی حوصلہ افزائی کرے اور حلقہ و تنظیم کے مقصد، کام اور پروگرام کے بارے میں ان کو باقاعدہ تحریری اور زبانی معلومات مہیا کرے۔

ناظم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ کارکنان کی آپس میں ملاقات اور حلقہ کے مسائل پر گفتگو کے مواقع مہیا کرے۔ اس سلسلہ میں اسرہ اسکیم بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اسرہ اسکیم میں چند ارکان پر مشتمل ایک اسرۃ بنائی جاتی ہے جو وقتاً فوقتاً ملتے ہیں۔ حلقہ اور تحریک کے مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے مختلف کاموں میں ہمدرد و معاون ہوتے ہیں۔ تحائف کا تبادلہ کیا جاتا ہے اور اس طرح خاندانوں کے درمیان روابط بڑھائے جاتے ہیں۔

اہداف و متاثرین سے رابطہ رکھنے کے لئے اہداف کو چائے یا کھانے پر مدعو کرنا، اجتماعی کھانے کی محفلیں منعقد کرنا اور بے تکلفانہ سوال و جواب اور دعوت دین دینے کا اہتمام کرنا بہت مفید ہے۔

(۳) حلقہ سے باہر دوسرے نظم سے رابطہ: ایک ناظم جہاں نظم بالا سے تعلق اور رابطہ رکھتا اور اپنے حلقہ میں ارکان وغیرہ سے رابطہ و تعلق رکھتا ہے وہاں اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دیگر حلقوں کے نظم سے قریبی روابط رکھے اور ان سے استفادہ کرے۔ اسی طرح وہ حلقہ کے ارکان، معاونین و متاثرین کے علاوہ عام لوگوں سے بھی رابطہ رکھے۔ ان کے بارے میں باقاعدہ سروے کرے اور ان کے کوائف سے باخبر رہے تاکہ رابطہ اور انداز ملاقات و گفتگو میں مدد مل سکے۔ لوگوں کے مختلف کاموں میں حصہ

لے اور مرجع خلائق بننے کی کوشش کرے۔ دیگر متوازی تنظیموں سے بھی رابطہ رکھے اور ان سے معلومات حاصل کرے۔ بوقت ضرورت نظم بالا کی اجازت سے ان کے پروگراموں میں شرکت کرے۔ حلقہ یا اپنی تنظیم کی نمائندگی کا فریضہ انجام دے۔

## مسائل کا حل:

جہاں چند سوچنے اور سمجھنے والے افراد ہوتے ہیں وہاں اختلاف رائے کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ بعض اوقات یہ اختلاف رائے بڑھ کر گرما گرمی، رنجش اور عداوت کا سبب بن جاتا ہے اور کارکنان کے ذہن سے تنظیم کا مقصد، طریقہ کار اور تعلق باللہ بالکل کمزور پڑ کر محو ہو جاتا ہے۔ اس کی پیشگی روک تھام کی بھی ضرورت ہے اور ایسا کوئی واقعہ ہو جانے پر اس کی اصلاح اور حل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

پیشگی روک تھام کے لئے ناظم کی ذمہ داری ہے کہ کارکنان میں تعلق باللہ پیدا کیا جائے اور اس کو بڑھایا جائے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ نماز باجماعت کی تلقین کی جائے اور صدقہ وخیرات پر ابھارا جائے۔ اتباع سنت کی طرف توجہ دلائی جائے۔ ساتھیوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کو بڑھایا جائے خوف خدا پیدا کیا جائے ادب اخلاق وسیرت سازی پر محنت کی جائے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ تحریکی شعور زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے اور اس کے لئے تنظیم کے مقاصد اور طریقہ کار کے بارے میں مختلف انداز سے تربیت دی جائے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کے اصول کو سامنے رکھ کر ان میں بھائی چارہ اور اخوت پیدا کی جائے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس کی طرف توجہ دلائی جائے جس کے لئے تہجد کا اہتمام بہت اہم ہے۔

کوئی نزاع پیدا ہو جانے کی صورت میں اس کا علم ہوتے ہی ناظم کو فریقین سے فوری رابطہ کرنا چاہیے۔ صورت حال کا مطالعہ غیر جانبدارانہ طور پر کرنا چاہیے۔ حق وانصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے افہام وتفہیم سے مسئلہ کو حل کرنا چاہیے۔ ناظم کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ وہ قاضی نہیں ہے بلکہ دوست اور مربی ہے۔ فریقین کو قرآن وسنت کی تعلیمات بتائے۔ اگر حتی المقدور کوشش کے بعد بھی مسئلہ حل نہ ہو تو

نزاع کو نظم بالا کے پاس لے جائے اور اُس سے مدد لے۔

حلقہ میں وسائل کی کمی یا غیر مناسب استعمال یا عدم تعاون سے بھی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ناظم کی ذمہ داری ہے کہ کسی کام کے آغاز سے قبل صحیح منصوبہ بندی کرے اور اس کے مطابق وسائل مہیا کرنے کی کوشش کرے۔ وہ اس پر بھی نظر رکھے کہ وسائل کا بے جا اور غیر مناسب استعمال نہ ہونے پائے۔ وسائل کم یا نہ مہیا ہونے کی صورت میں منصوبہ پر عمل درآمد میں ممکنہ تبدیلی اور ردو بدل کرے یا نظم بالا کی توجہ اس طرف مبذول کرائے اور ان سے مدد لے اور اسی طرح یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عدم تعاون یا ست روی اور لا پرواہی کی وجہ معلوم کرے اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اس پہلو پر ہم علیحدہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ اگر باوجود کوشش اور افہام وتفہیم کے تعاون میں کمی یا سستی یا عدم توجہی برقرار رہے تو پھر ناظم، فساد نظم کو روکنے کے لئے مناسب قدم اٹھائے۔ اس کا مطالعہ ہم آخیر میں کریں گے۔

ضروریات اور سہولتوں کی فراہمی:

کوئی بھی کام یا منصوبہ اس وقت تک روبعمل نہیں لایا جاسکتا جب تک کہ اس پر کامیابی کے ساتھ عمل کی ضروریات، وسائل اور سہولتیں نہ مہیا کی جائیں۔

یہ ناظم کی ذمہ داری ہے کہ ان ضروریات وسائل اور سہولتوں کا اندازہ کرے اور انہیں مہیا کرنے کی کوشش کرے۔ عمومی طور پر ایک حلقہ میں تنظیمی کام (اجتماع ومشورہ) دعوتی کام (اجتماع ووفود وتقسیم کتب وکیسٹ) تربیتی کام (جسم وفکر ونظر اور علم وعمل کی تربیت) اور فلاحی کام (امداد وتعاون ودیگر سہولتیں) ہوتے ہیں۔ ناظم ہی ان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اب ہم ایک ایک کرکے اس کا مطالعہ کریں گے کہ ان امور میں ناظم کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

ا۔ تنظیمی امور: کام ومنصوبہ سازی اور کارکردگی کے جائزہ کے لئے تنظیمی اجتماعات منعقد ہوتے ہیں۔ ناظم کی ذمہ داری ہے کہ اجلاس اور اجتماعات کی مناسب جگہوں کا تعین اور ان کا حصول ممکن بنائے۔ ان جگہوں پر شرکاء کے لئے صاف ہوا، پانی اور بیت الخلاء کا انتظام کرے۔ ناظم کی ذمہ داری

ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو اجتماعات میں شرکت کے لئے اجتماعی سواری کا انتظام کرے۔ ناظم اس کا خیال رکھے کہ اجلاس اور اجتماعات کے دورانئے غیر ضروری طور پر طویل نہ ہوں اور اگر طویل المدت اجتماع منعقد کرنا ہے تو اجتماع کے دوران مشروبات و ماکولات کا انتظام ہونا بھی ضروری ہے۔ ساتھ ہی ابتدائی طبی امداد بھی دیئے جانے کا انتظام ہو۔

۲۔ دعوتی امور: دعوتی اجتماعات کے لئے بھی انہیں سہولتوں کی ضرورت ہے جو اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ انفرادی دعوت پہنچانے کے لئے ناظم کو چاہیے کہ مناسب کتابچہ، لٹریچر کیسٹ اور سی ڈیا پنے ارکان کو مہیا کرے یا ان کے حصول کے لئے آسانی پیدا کرے۔ چند افراد پر مشتمل وفود بھی تشکیل دے اور ان کو دعوتی گشت پر بھیجے اور جگہ بتائے۔ وفد کا ایک امیر مقرر کرے اور وفد کی واپسی پر رپورٹ لے اور ان کو ہدایات و مشورے دے۔ ناظم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اپنے کارکنوں کے ان اصحاب سے ملاقات کرے جن کو دعوت پہنچائی جارہی ہے (ان کے لئے ہم ہدف کی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں) اور اسی طرح انفرادی اور اجتماعی دعوت پہنچانے کے لئے دوسرے پروگرام بھی کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً درس قرآن، اصلاحی بیان، کرنر میٹنگ، دعوتی کیمپ، اسٹال وغیرہ۔

۳۔ تربیتی امور: ہر فعال نظم کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے کارکنان علم اور تجربہ رکھتے ہوں، نئی نئی تکنیک اور معلومات سے آراستہ ہوں، کیونکہ اس سے کارکردگی بڑھتی ہے اور تنظیم کی بقا کے لئے بھی یہ ضروری ہے، ناظم حلقہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے ارکان کی تربیت و تجربہ کے لئے مناسب انتظام کرے۔ حلقہ یہ کام نہ کر سکے تو نظم بالا سے رجوع کرے اور اپنے ارکان کو ان تربیتی اجتماعات یا دروس یا مطالعہ نصاب میں بھیجے، جہاں اس کی ضرورت کے مطابق علم و تجربہ بہم پہنچایا جا رہا ہے۔ ارکان کے تزکیہ نفس اور ان کی تربیت کے لئے شب مذاکرہ، شب بیداری، اسٹڈی سرکل اور تربیتی کیمپ، تربیتی کنونشن وغیرہ منعقد کرے۔

۴۔ فلاحی امور: ناظم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ارکان، متاثرین و معاونین کے فلاح و بہبود پر نظر رکھے

اور ایسے کام و منصوبہ ترتیب دے جن سے مدد مل سکے۔ خود اسرہ کا نظام بھی اس میں معاون و مددگار ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بوقت ضرورت ہسپتال اور دواء علاج کی سہولت مہیا کرنے کی طرف توجہ دے۔ اور علاقہ میں کبھی کبھی فری میڈیکل کیمپ کا انعقاد کرتا رہے۔ اپنے بے روزگار اور معاش کی تلاش میں مصروف ارکان کی مدد کی جائے۔ کار آمد مصروفیات مہیا کی جائیں، ہنگامی صورت حال میں ارکان و متاثرین کی مالی امداد کے لئے جو جہد کرے۔ بچوں کی دینی تربیت اور بالغوں کے لئے تعلیم کی اسکیمیں بنائے اور ان کو قابل عمل بنائے۔ خواتین کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں۔ فلاحی کام کو صرف کارکنان و متاثرین تک ہی محدود نہ رکھا جائے بلکہ حلقہ کے عامۃ المسلمین کے لئے بھی عام کیا جائے۔ خوشی و غمی کے موقع پر لوگوں کے ساتھ شرکت کر کے خدمت کریں۔ جنازہ تکفین و تجہیز میں حصہ لیں۔

فساد نظم کو روکنا:

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جہاں بھی چند افراد ہوں گے وہاں اختلاف کا رونما ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، تعمیری اختلاف اچھی چیز ہے اور اس کو ابھارنا چاہیے کہ اس سے غور و فکر میں نئے نئے نکات سامنے آتے ہیں اور ہر طرح کی صورتحال پر انسان غور کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس وہ اختلاف جو تخریب کا باعث بن جائے یا وہ عمل جو خرابی کا باعث ہو نظم یا حلقہ کے لئے تباہ کن ہوتا ہے، تعاون و اخوت پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے عمل اور اختلاف کو سختی سے دبانا چاہیے اور اس میں قطعا رعایت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اب ہم ان چند عوامل اور طریقوں پر روشنی ڈالیں گے جس سے فساد نظم پیدا ہوتا ہے اور ناظم کی ذمہ داری ہے کہ ایسے کسی بھی عمل کی اجازت نہ دے اور اس کا فوراً سدباب کرے۔

☆ سب سے پہلی بات اجتماعات کے دوران نظم و ضبط کو بگاڑنا ہے۔ نظم و ضبط ہمیشہ برقرار رکھا جائے اور اس پر عمل کے لئے عدل اور ایثار سے کام لیا جائے۔

☆ دوسری بات اجتماعات سے بغیر اطلاع غیر حاضری یا تاخیر سے شرکت ہے۔ اس کا سبب معلوم کیا جائے اور اس سے روکا جائے ورنہ یہ طرز عمل متعدی ہوتا ہے اور دوسرے بھی وہی کرنے لگتے ہیں۔

☆ تیسرا فساد کا ذریعہ رپورٹوں سے لاپرواہی ہے اس سے نہ صرف یہ کہ کارکردگی پر اثر پڑتا ہے بلکہ یہ عمل فرد پر تنظیم کی گرفت کو ڈھیلا کرتا ہے۔

☆ اسی طرح اگر کوئی ذمہ داری اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتتا ہے تو وہ اس کا اظہار ہے کہ اس میں تقویٰ کی کمی ہے اور وہ اپنے آپ کو نظم کی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ سمجھتا ہے۔

☆ تنظیم کی عمومی یا خصوصی اطلاعات غیر متعلقہ افراد کو نہ دی جائیں اور نہ ہی خود غیر متعلقہ افراد کو اطلاعات فراہم کریں۔ یہ صرف ذمہ دار افراد کا کام ہے کہ وہ اطلاعات بہم پہنچائیں خصوصا نظم سے باہر افراد کو۔

☆ فساد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ دوسروں کی ذمہ داریوں یا کاموں میں بے جا مداخلت کی جائے یا تبصرہ کیا جائے۔ اس سے کھچاؤ اور رنجش پیدا ہوتی ہے۔ ناظم کی ذمہ داری ہے کہ ایسے قول و عمل پر قدغن لگائے اور اس کے سدباب کی کوشش کرے۔

☆ اسی طرح اپنے ساتھیوں کو طنز اور تضحیک و تنقید کا نشانہ بنانا بھی صحیح نہیں۔

☆ فتنہ وفساد کا ایک اہم سبب تواتر کے ساتھ سمع واطاعت اور نظم وضبط کی خلاف ورزی بھی ہے۔ ایسی صورتحال میں ناظم کو انضباطی کاروائی سے نہیں جھجکنا چاہیے۔ درج بالا اسباب فساد کو روکنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ ناظم احتساب کے نظام کو نافذ کرے۔ خود بھی تنقید و احتساب کا سامنا صبر و تحمل سے کرے اور دوسروں کو بھی اس کی تربیت دے اور جو باتیں حق ہوں ان کے مطابق اصلاح کی جائے۔ اگر کچھ باتیں صحیح نہ ہوں تو ان کی تصحیح کر دی جائے۔ اس کی کوشش کی جائے کہ بے جا قیاس اور سوء ظن سے دونوں بچیں یعنی محتسب اور محتسب علیہ۔

خاکہ:

ناظم کی ذمہ داریاں

۱۔ اشتراک عمل

☆ منصوبہ بندی

☆ تنظیمی اجتماعات

☆ ذمہ داریوں کی تقسیم

☆ نظم بالا کے فیصلے

☆ نائبین کا تقرر

۲۔ رابطہ وملاقات

☆ نظم بالا سے رابطہ

☆ ارکان ومتاثرین سے رابطہ

☆ دیگر نظم سے رابطہ

۳۔مسائل کا حل

ضروریات اور سہولتوں کی فراہمی

☆ تنظیمی امور

☆ دعوتی امور

☆ تربیتی امور

☆ فلاحی امور

۵۔فساد نظم کو روکنا

☆ نظم وضبط کا بگاڑ

☆ شرکت میں تاخیر، غیر حاضری

☆ رپورٹوں سے لاپرواہی

☆ اطلاعات میں غیر ذمہ داری

☆ بے جا مداخلت و تبصرہ

☆ بے جا قیاس و سوءِ ظن

☆ احتساب کی کمی

## شوریٰ (میٹنگ) کی اہمیت، ضرورت اور طریقہ کار

### شوریٰ کی اہمیت اور ضرورت:

انسان عالم الغیب نہیں ہے جس کو اپنے مستقبل اور آئندہ کام کرنے کا انجام معلوم ہو اور نہ ہر انسان کی انفرادی رائے اور خیال درست ہو سکتا ہے اس لیے دوسروں سے مشورہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہر ایک کی رائے سامنے آ کر صحیح اور بہتر راستہ اختیار کیا جا سکے۔

یہ بات مسلم ہے کہ انسان کے تمام افراد باعتبار عقل مساوی نہیں، کوئی زیرک و فطین کوئی اعلیٰ تو کوئی متوسط اور کوئی ادنیٰ، اسی طرح یہ بات بھی مسلم ہے کہ عقل انسانی اصل فطرۃ میں کتنی ہی بلند اور اعلیٰ زیرک کیونکہ نہ ہو مگر عقل و ذہن کی نشو نما اور ارتقاء کا آلہ اور ذریعہ تجربہ اور معاملات میں مہارت ہے۔ دانشمند سے دانشمند بھی بلا تجربہ ناقص اور اس کی رائے نہ قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لو کہ ایک نہایت دانشمند اور زیرک فنون جنگ کی کتابوں کا عالم و حافظ بلکہ کسی مکتب حربیہ (فوجی ٹریننگ سکول) کا پروفیسر یا پرنسپل میدان جنگ سے دور دراز بیٹھے ہوئے معرکہ آرائی کی تدبیریں بتلاتا ہے اور ہر ایک نشیب و فراز سے آگاہ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو دانائی و فراست علم و مطالعہ کتب میں اس کا ہم پلہ نہیں مگر عمر بھر اس کی میدان جنگ میں گزری ہو، ہزاروں معرکوں کا مشاہدہ کیا ہو، کبھی محصور ہوا، کبھی محاصرہ کیا، کبھی حملے کئے، کبھی مدافعانہ قوت دکھائی، کبھی وسیع میدانوں میں کوچ گیا، کبھی تنگ و پیچ دار

گھاٹیوں سے لشکر کو صحیح وسالم نکال کر لے گیا، وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ اول الذکر شخص دانش و عقل میں کتنا ہی پہنچ گیا ہو مگر اس کی تدبیر ورائے کو اس دوسرے شخص کی رائے وتدبیر کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی قدر وقیمت۔ اس لیے نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ

لاَ حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عُثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرِبَةٍ

بہرحال جب انسان کے تمام افراد کا عقل مساوی نہیں اور نہ ہر کوئی تجربہ کار ہوتا ہے اس لیے ایک دوسرے سے رائے اور مشورہ لینا ضروری ہے تاکہ صحیح اور درست راستہ متعین کیا جائے۔

اسی طرح یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ تمدن کا دارومدار تعاون وتناظر باہم امداد وتعاون، یاری ومددگاری پر ہے۔ اور یہی فرق ہے وحشی اور تمدنی کے درمیان کہ وحشی جیسا کہ خود اپنے تمدن واسباب معیشت میں دوسرے کے کام کم آتا ہے جانور حقیقی وحشی ہیں، ان میں بہت کم رابطہ انس وتعلقات ہوتے ہیں اور جو ہوتا ہے وہ بھی طبعی ہوتا ہے، عقلی واختیاری نہیں۔ اور انسان کو جانور سے تمیز یہی ہے کہ اس میں فطرۃً انس ومحبت، امداد واستمداد کا مادہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ دنیا میں بادشاہ سے لے کر ادنیٰ رعیت اور عالم سے لے کر جاہل تک کسی رتبہ کا ہوتا ہے اتنا ہی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ مخلوق میں انسان سب سے زیادہ محتاج ہے اور پھر انسان میں جو سب سے اعلیٰ اور مرتبہ کے لحاظ سے اونچا شمار ہوتا ہے اتنا ہی وہ سب سے زیادہ محتاج ہے۔

کیونکہ اس کا حلقہ تعلق اور دائرہ کار اور اختیار وسیع ہوتا ہے تو اتنی ہی اس کے کام میں غلطی کا امکان بھی زیادہ ہے۔ اس لیے یہ تو اور بھی زیادہ دوسروں کے تعاون وتناصر اور مشورے کا ضرورت مند ہے۔

اچھی بری، صحیح اور غلط رایوں میں سے بہترین اور مثمر اور منتج رائے کا انتخاب کرنا اور ظاہر ہے کہ جو رائے ہر قسم کی رایوں سے منتخب کی جائے گی محبوب ومرغوب طبع، حسن اور پسندیدہ ہوگی۔ جیسا کہ شہد تمام امراض سے شفا کا کام دیتا ہے، اسی طرح اچھی اور نیک رائے بھی مہلکات سے نجات دینے والی منزل مقصود تک پہنچانے والی اور ندامت وافسوس سے محفوظ رکھنے والی ہوتی ہے۔

اسی طرح اجتماعی زندگی میں رائے عامہ کی بڑی اہمیت ہے اور یہ معاشرے کے افراد کا انفرادی اور اجتماعی حق ہے۔

رائے عامہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ ''اگر کسی جماعت میں کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اس کے افراد تحقیق و جستجو کریں، اس کو آزمائیں اور اس کو پرکھیں اور پھر اس کے بارے میں ایک حکم پر متفق ہو جائیں تو اسی کو رائے عامہ کہتے ہیں۔''

اس رائے عامہ کی بڑی اہمیت ہے۔ ہم اپنے ماحول میں اسے مشاورت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ مشاورت عموماً چھوٹے پیمانے پر ہوتی ہے اور بعض مواقع پر بڑے پیمانے پر۔ ہمارے معاشرے میں اور اس کے تمام اداروں میں اس کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصول حکمرانی، سیاست، جمہوریت اور جدید مینجمنٹ میں افراد کی رائے اور مشورے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ:

☆ صحیح کام مشاورت سے ہوتا ہے، اچھے اور برے معاملات کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے،

☆ پوری جماعت کا مشورہ بلاواسطہ یا بالواسطہ اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے۔

☆ افراد کو معاملہ فہمی کی تربیت ملتی ہے۔

ہمارا المیہ:

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارے معاملات کے فیصلے اوپر سے ہو جاتے ہیں اور ہمیں کسی نہ کسی کے زور پر ان فیصلوں پر عملدرآمد کرنا ہوتا ہے۔ ان فیصلوں میں عموماً رائے عامہ شامل نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو غیر متعلقہ افراد کی، ایسی صورت میں یہ فیصلے اخبارات اور رودادوں کی صورت میں تو نظر آتے ہیں مگر عملی دنیا میں ہم ہر لحہ پیچھے کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو تھا المیے کا قومی پہلو، دوسری طرف اس المیے کا اجتماعی پہلو دیکھتے ہیں تو ہمیں ہمارے ملک کے ادارے نظر آتے ہیں۔ ان اداروں میں حکومتی مشینری، کاروباری ادارے، رفاہی ادارے اور دیگر سماجی، غیر سماجی اور سیاسی، مذہبی تنظیمیں شامل ہیں۔ ان تمام اداروں میں رائے عامہ کے حصول کی تربیت اور طریقہ کار کا فقدان نظر آتا ہے جس کے باعث

ہم اجتماعی زندگی کا وقت ضائع ہوتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔

## شوریٰ:

### میٹنگ کی تعریف:

میٹنگ ایک موقع ہے جس میں ذمے دار افراد ایک ساتھ مل بیٹھ کر کسی اجتماعی مسئلے کے حل کے لیے غور وفکر کرتے ہیں۔

چھوٹے گروپ کے ذریعے سوچ وفکر کے عمل کے فوائد ونقصانات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

فوائد میں پہلی اور بنیادی چیز یہ ہے کہ افراد اجتماعی مشورے میں شریک ہوتے ہیں تو وہ زیادہ احساس ذمہ داری کے ساتھ ان فیصلوں پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے رویے میں مثبت انداز اور تعاون کا جذبہ غالب نظر آتا ہے۔ وہ اپنی ذات اور شخصیت میں اعتماد محسوس کرتے ہیں اور یہی افراد کی سرمایہ کاری ہے۔ اداروں کی سرمایہ کاری میں ایک تو اثاثہ جات ہیں جن سے پیداوار حاصل کر کے نفع کمایا جاتا ہے اور سرمایہ کاری کی دوسری قسم افراد کی ہے جن میں اعتماد پیدا کر کے اداروں اور افراد کو شاہراہ ترقی پر گامزن کیا جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اجتماعی اذہان کے ذریعے ادارہ اور مینجمنٹ اچھے فیصلوں پر پہنچتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ:

☆ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کے باعث فیصلوں میں آسانی ہوتی ہے،

☆ اجتماعیت اور ہم آہنگی کے باعث اچھی تجاویز آتی ہیں۔

☆ اجتماعی گفتگو اور شرکت کے باعث حوصلہ افزا فیصلے ہوتے ہیں اور ہمت بندھتی ہے۔

☆ پیداوار اور افادیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

نقصانات میں یہ باتیں شامل ہیں۔

ا۔ جب کسی میٹنگ میں ایک سے زائد افراد شریک ہوتے ہیں تو ادارے کے اتنے ہی گھنٹے ضائع ہوتے

ہیں۔فرض کیجئے دس افراد شریک ہیں۔وہ اپنے اپنے شعبوں کو چھوڑ کر آتے ہیں۔دس افراد دو گھنٹے تک شریک ہوتے ہیں۔اس انداز سے کم از کم بیس گھنٹے لگ جاتے ہیں۔کیا وقت کی اتنی بڑی سرمایہ کاری سے اسی نسبت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ بعض بے مقصد میٹنگ اور شوریٰ ہوتے ہیں۔اسی طرح کے میٹنگوں کے باعث تضیع اوقات کی اور بھی وجوہات ہیں۔

☆ بعض افراد اپنے وجود کا احساس دلانے کے لیے ضرور بولتے ہیں اگر چہ ان کی بات کی کوئی وقعت نہیں ہوتی حالانکہ اگر وہ نہ بولیں تب بھی بات بن سکتی ہے لیکن وہ اپنی شرکت کا احساس دلانا اور روداد میں اپنا نام درج کرانا ضروری سمجھتے ہیں،

☆ بعض افراد ایک چھوٹی سی بات پر پوری تقریر کرنا چاہتے ہیں۔

☆ بعض افراد غیر ضروری معاملات پر گفتگو چاہتے ہیں۔

☆ بعض افراد انسانی تعلقات اور حفظ مراتب کی خاطر بڑوں کی تعریفوں میں وقت ضائع کرتے ہیں۔

☆ بعض اوقات میٹنگز کے دوران گروپ بن جاتے ہیں اور وہ مختلف انداز سے سیاسی اور معاشرتی دباؤ ڈال کر اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں،اس قسم کے لوگ عموماً بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں۔

☆ بعض لوگ صرف بات کرتے ہیں اور کام نہیں کرتے۔

مؤثر میٹنگ کے بنیادی عوامل

مقصد:

ہماری توجہ براہ راست میٹنگ کے مقصد پر مرکوز رہنی چاہیے۔میٹنگ کے ایجنڈے کا تحریری مسودہ وقت سے پہلے ارکان تک پہنچ جانا چاہیے۔میٹنگ کے آخر میں کچھ وقت کھلی بحث کے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ایسے سوالات یا دلائل جو زیر بحث موضوعات سے تعلق نہ رکھتے ہوں،انہیں اس وقت کے لئے

ملتوی کیا جا سکتا ہے۔

## میٹنگ کا ماحول:

میٹنگ کی جگہ کے عملی انتظامات، میٹنگ کی کامیابی کے لئے انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جہاں تک کمرے کے سائز کا تعلق ہے اسے کم از کم اتنا بڑا ضرور ہونا چاہیے جس میں وہ تمام لوگ آسانی سے سما جائیں جن کے آنے کی توقع ہو۔ اسے نہ زیادہ بڑا ہونا چاہیے، نہ زیادہ چھوٹا۔ اگرچہ ایسی میٹنگز کے لئے جن کا مقصد لوگوں میں جوش و جذبہ اور تحریک پیدا کرنا ہو، یہ امر قرین عقل ہوگا کہ ان کے لئے کسی قدر چھوٹا کمرہ استعمال کیا جائے کیونکہ جسمانی قربت تقریب میں شرکت کرنے والے لوگوں کے اندر اتحاد و یک جہتی کا جذبہ پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ کمرے کا ٹمپریچر آرام دہ ہونا چاہیے۔ نہ بہت زیادہ ٹھنڈا نہ بہت زیادہ گرم، اور اس میں روشنی کا معقول انتظام ہونا چاہیے، خصوصاً اس وقت جب اس امر کی توقع ہو کہ میٹنگ میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ میٹنگ کی کامیابی کے لئے بیٹھنے کے انتظامات بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ مقرر کا لوگوں کی قطاروں کے سامنے کھڑے ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے اور حاضرین کے درمیان ایک قسم کی نفسیاتی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ جہاں تک ممکن ہو ہمیں اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے شرکت کے عمل میں سرد مہری پیدا ہو جاتی ہے۔ کمرہ ایسی چیزوں سے پاک ہونا چاہیے جو توجہ کو ہٹانے والی ہوں جیسے بہت زیادہ شور یا نامناسب سجاوٹ۔

اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ کتنے لوگ آئیں گے تو ایسی صورت میں بھی ہمیں اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر اتنے بڑے کمرے کا انتخاب کرنا چاہیے جو مناسب ہو۔ بیٹھنے کے انتظامات میں بہترین کلاسیکی انداز کا انتخاب کیجئے۔ یعنی تھیٹر کا انداز، کلاس روم کا انداز، کانفرنس کا انداز، بڑی ضیافت کا انداز۔ میٹنگ شروع ہونے سے پہلے کمرے کا سننے کا نظام (ساؤنڈ سسٹم)، روشنی اور ٹمپریچر وغیرہ کو چیک کر لیجئے تاکہ لوگ آرام سے بیٹھ کر بات سنیں۔ اگر میٹنگ روم میں بہت سے لوگ ہوں تو بیٹھنے کے لئے مزید جگہ کا انتظام کیا جانا چاہیے۔

وقت:

یہ بات بڑی اہم ہے کہ میٹنگ وقت پر شروع ہو اور فوراً موضوع پر گفتگو کر کے وقت پر اسے ختم کر دیا جائے۔ اس سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میٹنگ کا انعقاد منظم صورت میں ہو رہا ہے۔ حاضرین پر اس باقاعدگی کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس سے کام کو منظم اور عمدہ صورت میں مکمل کر کے صحیح نتائج تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ بات بڑی نقصان دہ ہے کہ غیر متعلقہ موضوعات پر بحث کی اجازت دے کر میٹنگ کو اتنا لمبا کر دیا جائے کہ وہ اپنی حدود سے نکل جائے۔ آپس کے نجی معاملات پر بے تکلف گفتگو میٹنگ کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

میٹنگ میں شرکت:

میٹنگ میں شرکت اور بحث میں حصہ لینے کو انتہائی اہمیت دی جاتی ہے۔ اگر میٹنگ میں صرف ایک شخص بولتا رہے اور دوسرے لوگوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو میٹنگ سے ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اور وہ بدمزہ ہو کر خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم وقت سے پہلے منصوبہ بندی کر کے لوگوں کو میٹنگ میں دلچسپی لینے پر ابھار سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ایجنڈے کے مختلف نکات اجلاس میں پیش کرنے کی ذمہ داری مختلف لوگوں کے سپرد کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ میٹنگ میں شامل ہونے والے لوگ ایک فعال اور دلچسپی لینے والے گروپ کی شکل اختیار کر لیں گے۔ جب ہم میٹنگ میں شریک لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ میٹنگ کی توجہ کا مرکز ہیں، تو ہم ان کے اندر میٹنگ میں حصہ لینے اور ذمہ داری قبول کرنے کا جذبہ ابھار دیتے ہیں۔

میٹنگ کے کم گو اور شرمیلے حاضرین کو کھل کر سامنے آنے اور گفتگو میں حصہ لینے کے لئے ہم کچھ ایسے گر استعمال کر سکتے ہیں جو ان کی جھجک دور کرنے میں مدد دیں۔ اس صورت میں میٹنگ کا آغاز دوستانہ انداز میں ہوگا۔ میٹنگ کو اسی انداز پر جاری رکھنے کے لئے ہمیں چاہیے کہ لوگوں کو دلکش اور خوشنما انداز میں لکھے ہوئے ''نام کارڈ'' مہیا کریں اور انہیں آمادہ کریں کہ وہ ان کارڈوں کو نمایاں طور پر اپنے

لباس میں سامنے کے رخ ٹانک لیں تا کہ وہ لوگوں کو ہر وقت نظر آتے رہیں۔

ذمہ داریوں کی تفویض:

کسی موثر میٹنگ کو اس طرح ختم نہیں ہونا چاہیے کہ حاضرین کے سپرد کوئی اہم ذمہ داری یا کام نہ کیا گیا ہو۔ یہ ذمہ داری ایسی عمومی نوعیت کی بھی ہوسکتی ہے جیسے آپ کسی سے کہیں: ''اپنے گھر جاتے ہوئے راستے میں اس مسئلے پر غور کریں۔'' اور ایسی خصوصی نوعیت کی بھی جیسے: آپ تینوں اس موضوع پر تحقیق کریں اور ہفتے کے آخر تک اپنی رپورٹ تیار کر کے پیش کر دیں۔ اگر کسی میٹنگ کے بارے میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا یا جس میں حصہ لینے والے کسی مسئلہ کے حل کے قریب تک نہ پہنچیں اس کا نتیجہ بالآخر حوصلہ شکنی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ کام سپرد کرتے وقت ہمیں حاضرین کی مختلف دلچسپیاں اور صلاحیتیں سامنے رکھنی چاہئیں۔ میٹنگ کے آخر میں ایک اچھی طرح مرتب کردہ ''قدرتی پیمائی فارم'' استعمال کرنا چاہیے تا کہ اس کے ذریعہ 'بعد از واقعہ'' رہنمائی اور مفید تنقیدی آراء سامنے آسکیں۔ اس کے ذریعے احساس شرکت میں اضافہ ہوگا اور نقائص اور خامیوں کی نشاندہی ہوگی تا کہ آئندہ ان سے اجتناب کیا جاسکے۔

فیصلے:

میٹنگ کے ایسے اجلاس جن میں فیصلے کئے جانے ہوں، ان کا انتظام وانصرام نہایت اہتمام کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ ہمیں وقت سے پہلے معاملے کی ایسی تمام ممکنہ صورتوں پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے جو ہمارے لئے قابل قبول ہوسکتی ہوں، اور مسئلہ کے جو حل ممکن ہوں، ان کا بھی اچھی طرح جائزہ لے لے جانا چاہیے، ہمیں اپنی بحث کو قطعی پسندیدہ صورتوں اور متبادل حل پر مرکوز رکھنا چاہیے۔ اور ایسے سوال پیش کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسے'' آپ کی رائے کیا ہے؟ لوگوں کو موضوع سے انحراف یا غیر متعلقہ بحث میں الجھائے بغیر حاضرین کے افکار ونظریات سے آگاہی حاصل کرنے کی اور بہت سی موثر صورتیں ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی مسئلے کا جو متبادل حل پیش کیا گیا ہے وہ اس

کے کسی خاص حصہ پر تنقید کریں یا ان وجوہ کا مختصر طور پر جائزہ لیں جن کی بنیاد پر انہوں نے کسی خاص حل کو دوسری آراء پر ترجیح دی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ میٹنگ سے ہمیں خاطر خواہ نتائج اور قابل قدر کامیابی حاصل ہو تو اس کے لئے ہمیں پہلے سے تیاری کرنی چاہیے۔

اتحاد:

میٹنگ میں اگر اتحاد و اتفاق کی فضا موجود ہو تو اس سے میٹنگ کا مقصد حاصل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ موثر چیئر مین یا امیر شوریٰ کو چاہیے کہ وہ ضابطہ کار سے متعلق قواعد کو بروئے کار لا کر اور حاضرین کو متحرک کر کے میٹنگ میں اتفاق و اتحاد کی فضا کو بہر صورت برقرار رکھے۔ ہمیں میٹنگ کو کبھی اس حال میں ختم نہیں کرنا چاہیے کہ لوگوں کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوں اور ان میں کوئی اتفاق و اتحاد موجود نہ ہو۔ وہ ایک دوسرے سے ناراض اور ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہوں۔ لوگوں کے اندرونی احساسات اور جذبات کا اندازہ ان کے چہروں کے تاثرات کا وقتِ نظر سے جائزہ لے کر کیا جا سکتا ہے۔ کبھی کوئی موقع کی مناسبت سے اچھی کہانی، کوئی لطیفہ یا حکمت پر مبنی کسی حدیث کا ٹکڑا لوگوں کے جذبات میں ٹھہراؤ پیدا کر سکتا ہے اور مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے لوگوں کو متحد ہونے میں مدد دے سکتا ہے۔ کبھی کبھی یہ چیز بھی مفید ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کو تنظیم کے اسلامی مقاصد کی یاددہانی کرائی جاتی رہے۔ اگر حاضرین متعدد گروہوں کی صورت میں بٹ جائیں تو ایسی صورت میں یہ چیز مفید ثابت ہوتی ہے کہ ہر گروہ کا ایک بولنے والا نمائندہ مقرر کرایا جائے اور صرف اس کو تسلیم کیا جائے۔ اس امر کی خصوصی کوشش کی جانی چاہیے کہ میٹنگ کے اختتام تک حاضرین میں سے کوئی شخص باہر نہ جانے پائے کیونکہ لوگوں کے آنے جانے سے حاضرین کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔

بہر حال خواہ ہم چیئر مین کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کر رہے ہوں یا عام سامع کی حیثیت سے میٹنگ میں شریک ہوں، ہمیں کسی حال میں مشتعل نہیں ہونا چاہیے اور ہمیشہ مثبت رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ منفی رویہ سے لوگوں میں مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ اگر میٹنگ لمبی ہو تو ہمیں لوگوں کو تھوڑی

دیر کے بعد آرام کا وقفہ دینا چاہیے۔ ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم حاضرین کے دلوں میں اپنے مقصد سے یک جہتی کا احساس پیدا کریں۔ جب لوگوں کو اتنا وقت مل چکا ہو کہ وہ میٹنگ اور اس کے نتیجے میں پیش آنے والی صورت حال پر غور کر چکے ہوں تو ہم ان کی رائے ڈاک یا ٹیلی فون پر گفتگو کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں اور اس طرح ان کے اندر ''گروہی احساس'' (گروپ سپرٹ) پیدا کر سکتے ہیں۔

## ایجنڈے کی تیاری:

ہمیں اپنی میٹنگز کی منصوبہ بندی اس طرح کرنی چاہیے کہ ان میں شرکت کرنے والے لوگوں کی کوششوں اور صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنا ایجنڈا نہایت احتیاط کے ساتھ ایسا تیار کریں جو نہ تو بالکل مبہم ہو نہ بالکل محدود۔ ایجنڈے کی ہر آئٹم کے بارے میں اتفاق رائے سے یہ طے کر لینا کہ اس پر بحث میں کتنا وقت لگنا چاہیے میٹنگ کی کامیابی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

ایجنڈے میں ایسے موضوعات شامل کئے جانے چاہئیں جن کی نسبت گروپ کا باہمی مشورہ واقعی ضروری ہو۔ ایسے امور جن کے بارے میں کسی شخص کا انفرادی فیصلہ کافی ہو، انہیں ایجنڈے میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایجنڈے کے ایسے موضوعات جو حاضرین کے جذبات میں اشتعال اور برانگیختگی پیدا کر سکتے ہوں، انہیں آخر میں رکھئے لیکن ان کے لئے کافی وقت مقرر کیجئے۔ ایسے موضوعات پر میٹنگ کے آخر میں بحث کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب لوگ تکان کے باعث اجلاس سے اکتاہٹ محسوس کرنے لگیں گے ان کی وجہ سے میٹنگ میں از سر نو جان پڑ جائے گی۔ ایجنڈے کے موضوعات کو اس طرح ترتیب دیجئے کہ ان کی ترتیب منطقی ہو، ان کی تعداد محدود ہو اور ایسے موضوعات کے لئے زیادہ وقت مخصوص کیجئے جو پیچیدہ اور اختلافی ہوں۔ ایجنڈا مرتب کرنے کی ایک آسان صورت یہ ہے کہ آپ روزانہ کی نمازوں اور کھانے کے اوقات مقرر کرلیں اور ان کے درمیان میں یا آگے پیچھے نوے منٹ کا

اجلاس رکھ لیں۔ کسی شخص کے سپرد آپ وقت کی نگرانی کا کام کر دیں تا کہ وہ آپ کو بتاتا رہے کہ ایجنڈے کے کسی آئٹم پر کتنا وقت صرف ہوا۔ میٹنگ میں شریک لوگوں کو اتنا وقت دیجئے کہ وہ ہر موضوع پر بحث گہرائی میں جا کر کر سکیں۔ اور ہر اجلاس کے آخر میں کچھ وقت تخلیقی فکر بڑھانے کے اجتماعی عمل کے لئے مخصوص رکھئے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ آئندہ جو مسائل پیدا ہو سکتے ہوں، ان پر غور و فکر کرنے اور انہیں حل کرنے میں مدد ملے گی۔

ہر میٹنگ کے نوٹس کے ساتھ اس میں شریک ہونے والے لوگوں کو تفصیلی ایجنڈا اور سابقہ میٹنگ کی روداد کی ایک نقل ملنی چاہیے۔ انہیں اس بات پر آمادہ کیجئے کہ وہ اس مواد کو پڑھیں اور اچھی طرح سمجھیں۔ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ انہیں پچھلی روداد سے متعلق کوئی سوال تو نہیں پوچھنا۔ دوسری میٹنگ کی کاروائی شروع کرنے سے پہلے پہلی میٹنگ کی روداد کی توثیق کروالیجئے۔

مؤثر امیر یا صدر شوریٰ:

☆ عمل کرنے سے پہلے مشورہ کرتا ہے۔
☆ فیصلہ کرنے سے پہلے رکتا ہے۔
☆ کام کو اس کے وقت پر کرتا ہے۔
☆ بحث پر حاوی ہوئے بغیر اس کا آغاز کرتا ہے۔
☆ کارکردگی کے بارے میں ظاہر کی جانے والی تنقیدی آراء کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔
☆ اپنی تنقید میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔
☆ نئے افکار و نظریات کو کسی تعصب کے بغیر قبول کرتا ہے۔
☆ وہ، ارکان کے نام پر جو کچھ کرتا ہے اس سے انہیں مطلع رکھتا ہے۔

میٹنگ کو تباہ کرنے کے نصف درجن طریقے جن سے بچنا ضروری ہے

۱۔ کسی شخص کو وقت سے پہلے یہ معلوم نہ ہونے دیجئے کہ میٹنگ میں کون کون سے موضوع زیر غور آرہے ہیں۔ (کیونکہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ باقاعدہ اعداد وشمار کے ساتھ اجلاس کی تیاری کر کے آئیں اور زیر بحث موضوع پر بڑی عمدگی اور ذہانت کے ساتھ بحث میں حصہ لیں۔)

۲۔ میٹنگ کا ایجنڈا اجلاس سے کئی مہینے پہلے بھیج دیجئے۔ (اس صوت میں میٹنگ میں شرکت کرنے والے لوگ یہ سوچ کر تیاری موخر کردیں گے کہ ابھی تو کئی مہینے پڑے ہیں۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسے بھول ہی جائیں۔) یا میٹنگ کا نوٹس وقت سے چند گھنٹے پہلے دیجئے اور کسی ایسے رکن کے ذریعے بھیجئے جو میٹنگ کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو۔

۳۔ یہ اعلان کیجئے کہ: میٹنگ ''قریباً فلاں وقت شروع ہوگی۔'' (اس امر کا یقین رکھئے کہ جب دیر سے آنے والے مبہم وقت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آئیں گے تو اپنی آمد کے ذریعے اور یہ سوال پوچھ کر کہ اب تک کیا ہو چکا ہے، میٹنگ میں خلل ڈالتے رہیں گے)۔

۴۔ اس امر کا اہتمام کیجئے کہ میٹنگ کے موضوعات پر پہلے سے تیاری نہ کی جاسکے اور بحث کو ابھارنے کے لئے بنیادی سوالات کے بارے میں تیاری ہرگز نہ کیجئے۔

۵۔ خواہ میٹنگ کا مقصد شرکاء کو صرف معلومات فراہم کرنا ہو، آپ ہر شخص کو یہ سوچنے پر ابھاریے کہ زیر بحث اہم معاملات کے بارے میں ان سے مشورہ اور ہدایت لی جائے گی۔ (لیکن جب شرکاء کے مشورے اور تبصرے نظر انداز کردیئے جائیں گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ انہیں دھوکہ دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں آپ یقین رکھئے کہ اگلی میٹنگز میں وہ لوگ اپنا غصہ پورا پورا نکالیں گے۔

۶۔ خواہ میٹنگ کا مقصد پالیسی سے متعلق کوئی ایسا فیصلہ کرنا ہو جس کا تقاضا یہ ہو کہ آپ کی تنظیم کے بارے میں اطلاعات کی ایک بنیاد فراہم ہو جائے، آپ جتنے لوگوں (غیر ارکان) کو بلا سکتے ہوں بلا لیں۔ (ایسی صورت میں یقین رکھئے کہ میٹنگ ابتدا ہی میں تباہ ہو جائے گی۔ کیونکہ میٹنگ میں شامل

ہونے والے جو لوگ معاملات سے آگاہ نہیں ہوں گے وہ بھی معلومات رکھنے والے شرکاء اور آنیر کے ساتھ اپنا اثر اور ووٹ دینے کا حق استعمال کریں گے۔

## خاکہ

### اجتماع مشاورت (اجلاس وشوریٰ)

مقاصد

☆ منصوبہ بندی کے لیے

☆ جائزے کے لیے

☆ اہم اور ہنگامی امور میں مشوروں کے لیے۔

یہ اجلاس شہر کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ علاقے کی ضرورت کا ادراک کر کے بہترین لائحہ عمل کی تشکیل شوریٰ کا فرض منصبی ہے۔ ارکان کو شوریٰ سے قبل ایجنڈہ ضرور بھیجوایا جائے۔

**کامیاب اجلاس کا طریقہ کار:**

☆ ایجنڈہ ہر شریک کو پہلے پہنچا دیجیے۔ اس میں متعلقہ امور پر غور کے لیے اشارات درج ہوں۔

☆ میٹنگ چلانے کے اصول ابتداء ہی میں شرکاء کو بتا دیجیے۔ مثلاً

ایجنڈے کے مطابق چلنا

رائے کا اظہار ضرور کرنا۔

اجازت کے ساتھ بات کا آغاز کرنا۔

دوسرے کی بات کاٹنے سے پرہیز کرنا۔

وقت کا خیال رکھنا۔

☆ ہر فرد کی حاضری، در گفتگو میں شرکت ضروری ہے۔ اس کا اہتمام کیجیے۔

☆ ہر فرد کی رائے کا احترام کیجیے۔ اس کے احساس کو وزن دیں۔

☆ توجہ مقصد اور اصل ایجنڈے کی طرف رہے۔

☆ اختلافی امور کو نظر انداز یا مسترد نہ کریں۔ بلکہ ان کا تجزیہ کریں۔

☆ گفتگو میں بے جا طوالت سے بچیں۔ حقائق اور دلائل کے ساتھ جامع گفتگو ہو۔

☆ شخصی اختلافات سے پرہیز کیجئے۔

☆ دوسروں کی گفتگو میں مداخلت نہ کریں۔

☆ طے شدہ امور پر عمل درآمد کا جائزہ لیں۔

☆ کھلا اور شفاف احتساب ہو۔

☆ اجلاس کی کاروائی نوٹ کریں۔

☆ اتفاق رائے سے فیصلہ کیجئے۔

قبل از اجلاس:

☆ اجلاس سے قبل اس کی تیاری کریں۔ یعنی اجتماع کی نوعیت کے مقصد سوچیں ایجنڈہ بنائیں۔

☆ اجلاس کے لیے دن، تاریخ، مقام، وقت کو مقرر کریں۔

☆ ضروری دستاویز اور مواد حاصل کرے۔ مثلاً اجتماع ناظمین کے لے زونز کی گزشتہ ماہ کی رپورٹس کا حصول۔

☆ معاون کے ذریعے اجتماع کے انتظامات مکمل کروانا۔

☆ تلاوت کے لیے آیات کا انتخاب۔

☆ اپنے خطاب گفتگو کے نکات مرتب کرنا۔ مثلاً مستقل کرنے والی معلومات نوٹ کرنا۔

☆ بالائی نظم سے مشورے کرنا۔

آغاز اجلاس:

☆ بروقت آغاز کروائیں۔ وقت کی پابندی کے لیے ناظم وٹیم کا بروقت پہنچ کر آغاز کروانا ضروری ہے۔

☆ تلاوت

☆ ایجنڈے کی وضاحت کرنا۔

دوران اجلاس:

☆ ناظم اپنی رائے اور خیالات ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔

☆ کسی کی غلطی پکڑنے، لقمہ دینے کی کوشش نہ کرے۔

☆ کم گو شرکاء کو بولنے کا موقع دیں تا کہ وہ گفتگو میں شریک ہوں۔

☆ اجتماع کے ماحول کو سنجیدہ، بامقصد اور خوشگوار رکھے۔ بے جا تناؤ یا بے مقصد ہنسی مذاق کی فضا پیدا نہ ہونے دے۔ نظم وضبط قائم رکھے۔

☆ ایجنڈا پر عمل درآمد کروائے۔

☆ وقت کا درست استعمال کروائے تا کہ مکمل ایجنڈا پایہ تکمیل تک پہنچ سکے۔

☆ کسی نقطہ نظر پر اجتماعی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

اختتام اجلاس:

محاسبہ اور دعا کے ساتھ اختتام ہو۔ محاسبہ کی روح بیدار رکھیں۔ دعا کے ذریعے رب کریم سے استعانت طلب کریں۔

بعد اجلاس:

☆ کاروائی مرتب کروائی جائے۔

☆ طے شدہ کاموں پر عمل درآمد کروایا جائے۔

# اجتماعات اہمیت، ضرورت اور انعقاد کا طریقہ کار

اہمیت اور مقصد:

کسی بھی تحریک اور تنظیم کے لیے تنظیمی زندگی میں اجتماعات بہت زیادہ اہمیت کا حامل تحریکی و تنظیمی کام ہے۔ یہ دعوت دین پھیلانے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے اپنا پیغام، مشن اور کام کو دوسرے لوگوں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس اجتماعات کے ذریعے اپنے ارکان کو تحریک کے نصب العین، دعوت دین، اقامت دین کی جدوجہد اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے سرگرم عمل کرنا ہوتا ہے یعنی

☆ انہیں اس مقصد کا صحیح شعور دینا

☆ مقصد کا راستہ دکھانا۔

☆ ارکان کی تعلیم و تربیت کرنا

☆ ان کے باہمی تعلق کو مضبوط کرنا تاکہ ان کے درمیان اجنبیت و نا آشنائی باقی نہ رہے۔

☆ انہیں دعوت و اقامت دین کے کام کرنے کے طریقے سکھانا۔

☆ انہیں منظم کر کے بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کا مصداق بنانا۔

☆ اجتماعات کے ذریعے اپنے کام کا جائزہ لینا اور اپنی کمزوریوں کو سمجھنا اور انہیں دور کرنے کی کوشش کرنا۔

☆ اجتماعات کے ذریعے لوگوں کے ہمارے اور ہمارے کام کے متعلق جو شکوک و شبہات ہوں ان کو بالمشافہ ہماری دعوت اور ہمارے کام کو سمجھنے کا موقع ملنا تاکہ ان کی شبہات دور ہو کر ہمارے ساتھ اس حق میں شریک ہوں۔

اجتماعات کی اقسام: اجتماعات کے مندرجہ ذیل چند اقسام ہیں:

(۱) دعوتی اجتماع۔ (۲) تنظیمی اجتماع۔ (۳) تربیتی اجتماع۔ (۴) اجتماع عام۔ (۵) اصلاحی اور روحانی اجتماع۔

دعوتی اجتماع: جیسے دروس قرآن، مختلف کورسز، بیانات جس میں اپنا عقیدہ اور موقف بیان کیا جاتا اور سمجھایا جاتا ہے۔

تحریکوں کے لئے دعوت جسم میں خون کی مانند ہے اور اس خون کی موجودگی اس کی مسلسل اور صحت مند گردش اور اسی سے افرادی اور مالی توانائی کا حصول دعوتی اجتماع کی بنیاد ہے۔ اس ضمن میں اس کے اپنے موثر مدلل اور بروقت ہونے کی ضرورت اور مخالف دعوتوں اور دعوتی حوالوں سے آگہی اور ان کا سد باب بھی دعوت ہی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہر سطح کے دعوتی اجتماعات کو اس اسلوب اور ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔

## تنظیمی اجتماع:

جیسے ذمہ داران، ارکان شوریٰ کے مختلف انتظامی اجلاس اور مجالس شوریٰ۔

دعوت کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے تمام دعوتی سرگرمیوں کو منظم اور مربوط کرنا ناگزیر ہے، اس حوالے سے تنظیمی اجتماعات (اجلاس، شوریٰ) کی حیثیت مسلمہ ہے۔ ضابطوں اور قاعدوں کے تحت ناظم اور کارکنان کے حوالے سے ایک متعین مقام پر جماعت بحیثیت تنظیم کے کہاں کھڑی ہے؟ کہاں جانا ہے؟ اس کا سلسلہ اور مرحلہ وار جائزہ جس میں افرادِ کار وسائل، میدان کا ربط قائم بھی رہے، ہدف بھی واضح ہو اور پیش رفت کا جائزہ لیا جاتا رہے۔ اجتماع ناظمین، اجتماع ارکان، امیدواران کارکنان، متعین مشاورتیں وہ سطحیں ہیں جن سے ان تمام امور کا جائزہ لیا جانا ممکن ہوتا ہے۔

## تربیتی اجتماع:

جیسے ذمہ داران اور ارکان کے لیے تربیتی پروگرام، تربیتی کلاسز، شب مذاکرے، شب بیداریاں وغیرہ۔

اللہ کی طرف سے دی گئی صلاحیتوں کو ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے صحیح سمت میں پرورش کرنا اور استعمال ہونے اور نہ ہونے یا کم ہونے کی صورت میں اس کے حصول کی تدابیر اور ذرائع دنیا میں ان

اہداف اور مقصد کا حصول اور آخرت میں رب کی رضا کا حصول وہ اہم ترین اور توجہ طلب ضروریات ہیں۔جن کے بغیر ساری زندگی کوئی جدو جہد کرتے رہنا اور اخلاص سے کرتے رہنا ممکن ہی نہیں ہے، ساتھ چلنے والے تمام افراد کے ایمان وعمل میں مسلسل اضافہ، قیادتوں اور پیچھے چلنے والوں کی متعین تیاری اور رہنمائی اور تزکیہ وہ بھاری کام ہے جو کار رسالت ہے۔اس کی روشنی میں حدود کار طے کرنا اور ان کے حصول کی تدابیر، چیلنجز کا شعور اور ان سے نمٹنے کی تدابیر ان اجتماعات کی روح ہے جن پر جماعت کی زندگی منحصر ہے۔لہٰذا ذمہ داران اور ارکان کی تربیت کے لیے تربیتی اجتماع اور تربیتی کنونشن بے حد ضروری ہے۔

اجتماع عام:

جیسے عام جلسے اور عام پروگرام وغیرہ۔

دعوتی اجتماعات میں ایک اہم دعوتی ذریعہ اجتماع عام ہے۔

معاشرے میں خیر کے فروغ، غلبہ دین کے لئے عزم حوصلہ اور افراد کی فراہمی اور مخالف اسلام ملکی اور عالمی طاقتوں کے خلاف مزاحمت کے لیے ضروری ہے کہ ہم انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔زیادہ سے زیادہ دل ودماغ اللہ کے لیے مسخر کر لیں۔جو غلبہ دین کی جدو جہد میں جتنی خدمت کر سکتا ہے اسے اتنی خدمت کا موقع فراہم کر دیں۔ہر ایک کو اپنے ساتھ اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دیں اور جو ساتھ چلنے پر آمادہ ہو اس کے لیے اپنا دل اور اپنا دامن کھول دیں اور اسے ساتھ لے کر چلیں، لوگوں کی خوبیوں پر نظر رکھیں، خوبیوں کا ذکر کریں۔انہیں مزید خوب تر بنائیں اور برائیوں کے ازالے اور تدارک کے لیے حکمت اور محبت کے ساتھ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں، لیکن ان کے ازالے اور تدارک کے انتظار میں تعاون کو موخر نہ کریں۔اس عظیم مظاہرے کے لیے اجتماع عام بہترین ذریعہ ہے۔تین یا چار دن کے لیے بسنے والی چھوٹی سی یہ بستی جس کا ہر گوشہ اسلام کے مواخات مرد وزن اور عظیم اسلامی معاشرت کا موثر نمونہ ہے اور جس کا مجموعہ تاثر اسلام کی شوکت اور بلند عزائم رکھنے والی

چھوٹی سی اسلامی ریاست کا رول ماڈل ہے جو دنیا بھر کے مسائل حل کرتی، دکھوں اور الجھنوں کو اپنے دامن رحمت میں سمیٹ سکنے کا اعلان کرتی نظر آتی ہے۔لہذا دعوت کو عام کرنے، اپنے موقف اور کام کو بیان کرنے اور اپنے مشن کے گرد لوگوں کو جمع کرنے کے لیے اجتماع عام بہت ضروری ہے۔

## اصلاحی وروحانی اجتماع:

جس کے ذریعے لوگوں میں تعلق مع اللہ پیدا کرنا، روحانی اور باطنی اصلاح کرنا، اخلاق حسنہ اور اچھی صفات پیدا کرنا اور بری صفات اور بری عادات کا ازالہ اور فکر آخرت پیدا کرنا مقصود ہو جیسے خانقاہوں میں اس طرح کے اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے اور تبلیغی جماعت کا اجتماع اس کی مثال ہے۔

چونکہ ان مختلف قسم اجتماعات کے الگ الگ مقاصد ہوتے ہیں ہر اجتماع کے انعقاد کے اپنے اپنے لوازمات اور امور ہیں لہذا ہر اجتماع کے مقاصد کو مدنظر رکھ کر اس کے موافق ان اجتماعات کا انعقاد یقینی بنانا چاہیے۔لیکن ذیل میں اکثر وہ امور بیان ہونگے جن کا تعلق اجتماع عام سے ہے، جن میں بعض چیزیں ان دیگر اجتماعات کے لئے بھی بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔

## اجتماع عام کے انعقاد کے لیے پہلا مرحلہ:

### مشاورت:

اس ضرورت کے لیے مرکزی نظم مرکزی سے شوریٰ کا اجلاس طلب کرے گا جس میں:

### اجتماع کے مقاصد کا تعین:

اجتماع کے مقاصد کا تعین پہلا نکتہ ہے جو مرکزی نظم جماعت کی شوریٰ طے کرتی ہے۔

### پروگرام کے اہم نکات:

اجتماع کے لیے وہ نکات متعین کر لیے جاتے ہیں جو شوریٰ کے طے کردہ اجتماع عام کے موٹو سے بھی ہم آہنگ ہوتے ہیں اور انہی کی روشنی میں پورا پروگرام مرتب کیا جاتا ہے اور قراردادوں کے ذریعے پریس میں اشاعت عام کے لیے دے دیا جاتا ہے۔

انتظامیہ کی نامزدگی:

اس کے لیے حلقہ خواتین کی مرکزی شوریٰ، ناظم اجتماع، اس کی نائبین، انتظامی کمیٹیاں، نشر و اشاعت اوراس سے متعلقہ میڈیا کی ضروریات، جماعت کے امیر یا ناظم کا انٹرویو، بیرون ملک مندوبین کی تعارفی نشست، قبل از اجتماع، دوران اجتماع اور بعد از اجتماع، پریس کوریج کی ضروریات، ریکارڈ مرتب کرنا (وڈیو بنانا، ریکارڈنگ وغیرہ)۔

بجٹ:

شوریٰ کا اخراجات کے حوالے سے ہدف مقرر کرنا ہے، اس تمام مالی تفصیل کی باقاعدہ آڈٹ رپورٹ شوریٰ کے اجلاس میں پیش کی جاتی ہے، اسکے علاوہ ضروریات کے حوالے سے تخمینہ لگا کر بھی صوبوں اور شہروں پر ہدرف مقرر کرنا ہے۔

جائزے کے نکات:

اجتماع عام جماعت کی روایات کا ایک تسلسل ہے جو عوامی سطح سے جماعتی محنتوں کے نتائج کا ایک عمومی جائزہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے سابقہ اجتماعات عام کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائزے کے لیے موٹے موٹے نکات طے کر لیے جاتے ہیں جن کی رہنمائی میں ایک ہلکا پھلکا سا رپورٹ فارم بھی نظم کی طرف سے جاری کر دیا جاتا ہے تاکہ جماعتی افراد و سائل اوران کے ذریعے معاشرے کے مختلف طبقوں میں جماعت کی دعوت کا نفوذ اور جماعت کے ساتھ تعاون کی شکلوں کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اس طرح پروگرام کا انتظامات کا اور تعداد شرکاء کا جائزہ سامنے آجاتا ہے۔

تشہیر کے لئے ٹیم:

اس ضرورت کے تحت شعبہ نشر و اشاعت کے تعاون سے ایک ٹیم طے کی جاتی ہے جو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر ۲۔۳ ماہ سے کام شروع کر دیتی ہے اور اجتماع عام کے اختتام تک صحافتی حلقوں اور رائے عامہ دونوں کے لیے طے شدہ اہداف کے مطابق لائحہ عمل مرتب کر کے کام کرتی ہے، تشہیر کے

لیے گھر گھر ملاقاتیں، پمفلٹ اور کتابچوں کی تقسیم، اخبارات اور ٹی وی پر اشتہارات، اخبارات میں کالمز، کارنرز میٹنگز اور نشستیں، ہفتہ وار دعوتی اجتماعات یعنی دروس میں مسلسل اس عنوان سے بھی گفتگو اور توجہ عوامی سروے، محضرنامے وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔

پروگرام:

پورے اجتماع کے لیے پروگرام مرتب کرنا اور روبہ عمل لانا، پروگرام بنانے کے لیے ناظم اپنی شوریٰ کے مشورے سے ایک پروگرام نگراں مقرر کرتا ہیں جو اپنی ٹیم کے تعاون سے اس کانفرنس کے لیے مہمان خصوصی، مقررین، عنوانات، مقرر کے لیے رہنما نکات، مقررین سے پروگرام والے دن تک رابطے، دیئے گئے مواد کی وصولی اور پرنٹنگ، اجتماع میں مقررین کا بروقت پہنچنے کا انتظام، میڈیا کوریج کے لیے تمام تفصیلات وغیرہ طے کرنے کے حوالے سے ذمہ داریوں کو پورا کرتا ہیں۔

انتظامیہ:

اجتماع عام کا اعلان ہونے کے بعد حلقہ خواتین کی مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں ناظم اجتماع عام اور اس کی ٹیم کا نام بھی طے کرلیا جاتا ہے اور ایک عمومی ضرورت کی رہنمائی بھی فراہم کردی جاتی ہے جس کے تحت ناظم اجتماع اپنی نائبین کے ساتھ ذمہ داریوں کی تقسیم کا تعین کر لیتا ہے۔

کمیٹیوں کی تشکیل:

اجتماع عام کی نوعیت اور وسعت کے مطابق دو طرح کی کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں ایک انتظامی کمیٹیاں جو اجتماع عام کے انتظامات کا احاطہ کرتی ہیں، دوسری تنظیمی شعبہ جات جو جماعت کے مختلف تنظیمی شعبہ جات کی کارکردگی کے دائروں سے اجتماع عام کی ضروریات کا ہدف پورا کرتی ہے۔

کمیٹیوں اور شعبوں کے تعین کے فوراً بعد فیصلوں سے آگہی اور اجتماع عام کی اہمیت اور ضروریات کے لیے پہلا سرکلر (اطلاع کا خط) ناظم اجتماع کی طرف سے ناظمین صوبہ کو اور ان کے بعد ناظمات ڈویژن، اضلاع اور مقام کو روانہ کیا جاتا ہے اور تیسرا ابتدائی سرکلر متوقع کمیٹیوں کے نگرانوں

اور برادر تنظیموں اور جماعتی شعبہ جات کو روانہ کیا جاتا ہے جس میں ان کی ذمہ داری کا احساس، ذمہ داری کا تعین اور کار اور ذمہ داری پورا کرنے کا طریقہ کار بیان ہوگا۔ یہ کمیٹیاں درج ذیل ہیں:

☆ مرکزی استقبالیہ کمیٹی
☆ مرکزی نظم وضبط کمیٹی
☆ مرکزی طعام کمیٹی
☆ مرکزی ساؤنڈ کنٹرول کمیٹی
☆ مرکزی فراہمی آب کمیٹی
☆ مرکزی نشر واشاعت کمیٹی
☆ مرکزی اسٹالز کمیٹی
☆ مرکزی ٹرانسپورٹ کمیٹی
☆ مرکزی صلوۃ کمیٹی
☆ مرکزی مالیاتی کمیٹی
☆ مرکزی کمیٹی برائے گمشدہ اشیاء
☆ مرکزی کمیٹی برائے بیرون ملک مندوبین یا خصوصی مہمان
☆ مرکزی اطلاعات کمیٹی
☆ مرکزی کمیٹی برائے میڈیکل ریلیف
☆ مرکزی کمیٹی برائے تزئین وآرائش
☆ مرکزی کمیٹی برائے چائے وناشتہ
☆ مرکزی صفائی کمیٹی

## کمیٹیوں کی ذمہ داریاں:

اس حوالے سے ہر کمیٹی کی متعلقہ ضروریات اور حسب ضرورت افراد کار کے لیے یہ طے کرلیا جاتا ہے کہ مرکزی کمیٹیاں صوبوں کی رہائشی حدود سے علاوہ علاقوں پر مشتمل ہوگی اور صوبوں کی رہائشی خدود میں انہی ناموں سے مقامی کمیٹیاں کام کریں گی۔

تین ماقبل مرکزی کمیٹیوں کے نگرانوں کے ساتھ ساتھ ناظم اجتماع کی مرکزی نشست کے ذریعے کمیٹیوں کی حدود کار اور افرادی قوت کے لیے رہنمائی دی جائے گی۔ اور اجتماع کے انعقاد کی باقاعدہ سرکلر جاری کیے جاتے رہیں گے۔

اجتماع عام سے ۳ روز قبل یہ کمیٹیاں اپنے کارکنان کے ہمراہ اجتماع گاہ پہنچ کر انتظام سنبھال لیں گی۔ دوران اجتماع بھی روزانہ، رات میں اپنے متعین انتظامات کا جائزہ لے کر مرکزی نظم اجتماع کو

آگاہ کرتی رہیں گی۔

**مالیات:**

مرکز سے ملنے والے اہداف کے حصول کے لیے ہر سطح کے نظم کو مسلسل متوجہ رکھنا۔اجتماع عام کے لیے جاری کوپنز کے اجراء اور واپسی کا باقاعدہ اہتمام کرنا، ساتھ ہی ساتھ حسابات کی تیاری اور اس کے لیے ہدایات جاری رکھنا۔

**تشہیر کے مقاصد:**

۱۔ اجتماع عام کے سلوگن کے ذریعے جماعت کی دعوت اور اس کے پیغام کو عوام تک پہنچانا۔

۲۔ عوام الناس کو بحیثیت امت ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا۔

۳۔ معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے کی کوشش کرنا۔

۴۔ شریعت اسلامی کے نفاذ اور قرآن وسنت کی بالادستی کی کوشش کرنا۔

۵۔ عدل وانصاف کے نظام کے قیام کی جدوجہد کو تیز تر کرنا۔

۶۔ یونٹ کی سطح تک صاحب خیر افراد کو منظم کرنا۔

۷۔ متبادل قیادت کے طور پر صالح افراد کی قیادت کا ہدف حاصل کرنا۔

اور ان سب کے ذریعے دنیا میں دعوت دین اور اقامت دین کا اجراء کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا حاصل کرلینا اصل مقصود ہے۔

**رابطہ پریس:**

ان تمام مقاصد کے حصول کے لیے شخصی اور اجتماعی سطح سے عوام الناس اور ابلاغ کی سطح سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے رابطوں کی اہمیت مسلم ہے۔اس ضرورت کے لیے مرکزی شعبہ نشرو اشاعت انہی مقامی کمیٹیوں کے ساتھ بالعموم اور اجتماع عام کے مجوزہ شہر اسلام آباد، کراچی، لاہور، پشاور اور کوئٹہ یعنی صوبائی دارالحکومتوں میں بالخصوص تشہیری مہم ترتیب دے گا، جس میں صحافتی افراد سے رابطوں

اور میڈیا کے ذریعے تشہیر کے حوالوں سے منصوبہ بندی کی جائے گی اور مرحلہ وار فضا بنانے پر اور اجتماع عام کے اہداف کے حصول پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اس کے علاوہ دو ورقے، کتابچے، تشہیری اسٹیکرز اور پوسٹرز، اشتہارات، اخبارات میں کالمز، عوامی سروے محضرنامے وغیرہ بھی مہیا کیے جائیں گے۔

ریکارڈنگ:

تمام پروگراموں کی باقاعدہ ریکارڈنگ بھی کی جائے گی۔ اس کے علاوہ وڈیو سی ڈیز کی تیاری، ویب سائٹ کی اپ ڈیٹنگ وغیرہ خصوصی توجہ کی حامل ہوں گی۔

جائزہ رپورٹ:

اجتماع عام کے اختتام پر ایک عمومی جائزہ مرکز کے ارسال شدہ رپورٹ فارم پر لیا جائے گا، یعنی اجتماع کے شرکاء میں تاثراتی پرچہ تقسیم کرتا ہے کہ لوگ اپنے تاثرات قلم بند کریں۔ اس کا تفصیلی جائزہ مرکزی شوریٰ کی سطح سے ہوگا جس میں انتظامات، تشہیر، قومی اور بین الاقوامی سطح سے پذیرائی، ملکی اور بین الاقوامی دینی اور سیاسی تنظیموں سے رابطے، پروگراموں کے بارے میں مقاصد کے حوالے سے اثرات کا جائزہ اور میڈیا کا رول وغیرہ کے تحت آئندہ ہونے والے اجتماع عام کی ضروریات کے مطابق رہنما نکات فراہم کرنے کے لیے جائزہ لیا جائے گا۔

جائزہ:

جائزے کے نکات درج ذیل ہوں گے۔

۱۔ مقاصد کا حصول کتنا ہو سکا۔

۲۔ شرکاء کی رائے حاصل کرنے کے لیے (نظم سے) سوالنامے کا اجراء

۳۔ انتظامات کا جائزہ

۴۔ میڈیا کا رول

۵۔ اجتماع عام کی مکمل رپورٹ مرتب کرنا۔

## احتیاطی تدابیر:

غلطیاں جن کا احتمال ہو سکتا ہے، درج ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلی اور اہم چیز جس پر جتنی بھی توجہ ہو کم ہے وہ اخلاص نیت کا مسلسل جائزہ، رجوع الی اللہ اور للّٰہیت ہے جس میں مزید اور مزید کی گنجائش ہمیشہ ہی ہو گی۔ اجتماع عام کی وسیع انتظامی ضروریات کی نزاکت جن موثر رابطوں اعتماد اور نزاکتوں کی متقاضی ہے اس میں ذمہ داران کی طرف سے کافی کمی محسوس ہوتی ہے مزید مشکلات اس وقت بڑھ جاتی ہے جب خصوصاً تعداد کے حوالے سے رہائش، طعام اور بیت الخلاء جیسی ضروریات بھی کما حقہ توجہ سے محروم رہتی ہیں۔

۲۔ انتظامات میں دشواری کی ایک بڑی وجہ شرکاء کی تعداد پر ذمہ داران کا اتفاق رائے نہ ہونا ہے۔

۳۔ اجتماعی پروگرام خصوصاً اجتماع عام جیسے پروگرام جس میں شرکاء کی تعداد کا کوئی حتمی اندازہ قبل از وقت ممکن نہیں، اس لیے تمام انتظامات بالخصوص طعام اور بیت الخلاء کے لیے وافر انتظامات ناگزیر ہوں گے۔ طعام کے حوالے سے عوام الناس کی کثیر تعداد کی شرکت کے بعد طعام جیسی بنیادی ضرورت کا بروقت اور حسب ضرورت فراہمی اور تقسیم حد درجہ دشوار ہو جاتی ہیں اور خدمت سے زیادہ شکایات جمع ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا آئندہ کے لیے قیمتوں پر کنٹرول اور رعایت کے ساتھ اسٹالز اس کا متبادل ہو سکتے ہیں۔ البتہ بیت الخلاء کا انتظام ہر لحاظ سے معیاری ہونا ناگزیر ہے۔

## اجتماع عام کے لئے مرحلہ وار تقسیم:

اجتماع عام کا فیصلہ ہونے کے فوراً بعد مرکزی شوریٰ کے اجتماع میں ذمہ داران کا تقرر کر دیا جا ہے۔ اس کے بعد مرحلہ وار ناظم اجتماع پروگرام کو لے کر چلتا ہے۔

## تین ماہ قبل کرنے کا کام:

ناظم اجتماع کی مشاورت اور پہلے سرکلر کا اجراء جس میں اطلاعات و عمومی ہدایات صوبوں/ مرکزی شعبہ جات کو روانہ کیے جائیں۔

### دو ماہ قبل کرنے کے کام:

۱۔ انتظامی کمیٹیوں کے نگرانوں کے رہنما سرکلرز کا اجراء

۲۔ برادر تنظیموں اور تنظیمی شعبہ جات اور جماعتی اداروں کو رہنما سرکلرز کی ترسیل

### ایک ماہ قبل کرنے کے کام:

۱۔ ذمہ داران کا متعلقہ امور کے لیے ایک دوسرے سے رابطے

۲۔ روزانہ نشستوں میں مرحلہ وار ضروریات کی فراہمی کے لیے منصوبہ بندی

۳۔ اجتماع عام کی متوقع جگہ کے حوالے سے تفصیلات سے آگہی اور مقام اجتماع کا دورہ۔

### پندرہ دن قبل کرنے والے کام:

۱۔ مرکزی کمیٹیوں کے نگرانوں کے ساتھ مقام پر نشست جس میں، کمیٹیوں کے ذمہ داران کے ساتھ تعارف اور انتظامی امور پر تبادلہ خیال اور آئندہ لائحہ عمل کا تعین۔

۲۔ ناظم اجتماع اور ان کی ٹیم اجتماع گاہ کے قریبی مقام پر مستقل قیام۔

### سات دن قبل کرنے والے کام:

۱۔ اجتماع گاہ کے انتظامات کا تفصیلی جائزہ

۲۔ تشہیری مہم کا جائزہ

۳۔ بالائی نظم کا اجتماع گاہ کا دورہ کرانا۔

### تین دن قبل کرنے والے کام:

۱۔ اجتماع گاہ کی تیاریوں کا جائزہ

۲۔ بالائی نظم سے رابطے

۳۔ مرکزی نظم کی آمد

۴۔ وفود کی آمد کی تفصیلات سے نظام کا بنانا۔

۵۔ مرکزی انتظامیہ کی جائزہ نشست

دو دن قبل کرنے والے کام:

۱۔ وفود کی آمد کی تفصیلات

۲۔ کمیٹیوں کے ذمہ داران اور کارکنان کی آمد اور تقسیم

۳۔ رجوع الی اللہ پر خصوصی توجہ اور ذکر و نفل کا اہتمام اور اس کے لیے کچھ افراد کو مخصوص کرنا۔

۴۔ مرکزی انتظامیہ کی جائزہ نشست

ایک دن قبل کرنے کے کام:

۱۔ اجتماع گاہ کی تقسیم اور وفود کی آمد

۲۔ شرکاء کے انتظامات کے لیے تقسیم کار (استقبالیہ، طعام، پانی)

۳۔ ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے خصوصی انتظامات

۴۔ آخری تین دنوں میں افراد کار کی روزانہ جائزہ نشستیں

۵۔ مرکزی انتظامیہ اور انتظامی کمیٹیوں کے کارکنان کی جائزہ نشست

اجتماع عام کے دو دن بعد قیام کے دوران کرنے کے کام:

۱۔ وفود کی روانگی

۲۔ ٹرانسپورٹ کا بروقت انتظام۔

۳۔ شوریٰ کے ساتھ جائزہ نشست

۴۔ امیر جماعت اور ان کی ٹیم، جماعت نظم، ناظم اجتماع اور ٹیم کے ہمراہ جائزہ نشستیں۔

۔ اجتماع گاہ سے مرکز روانگی۔

# قیادت اور قائد کی ذمہ داریاں

## قیادت کی تعریف:

علم الادارہ کے ایک ماہر "شنان" (Shannon) نے قیادت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ:
"مقاصد کے حصول کے لیے کسی بھی تنظیم میں کارکنوں کو منظم کرنا۔ ان کی رہنمائی کرنا اور ان کے رویہ اور طرز عمل پر اثر انداز ہونے کا نام قیادت ہے"۔

## قیادت کے لوازم:

کسی فرد کے قائد ہونے کے لئے درج ذیل تین لوازم ہیں۔

☆ پہلا لازمہ اثر ہے۔ یعنی فرد کے اندر یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ کسی کام کو کرانے کے لئے کارکنان میں جذبہ عمل ابھار سکے۔

☆ اس کا دوسرا لازمہ اختیار ہے۔ قائد کے پاس ذاتی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اختیار بھی ہونا چاہیے۔ اختیار کے معنی ہیں کہ قانون اور ضابطہ موجود ہو کہ قائد یہ کام کرائے گا اور ساتھ ہی نظم بالا کی مدد اور پشت پناہی بھی ہونی چاہیے۔

ان دو لوازمات کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا لازمہ بھی کام کرانے کے لیے ہونا چاہیے

☆ اور وہ قائد کی مقبولیت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کارکنان میں قائد کا احترام پایا جاتا ہو۔ کارکنان اس کی شخصیت کی عزت کرتے ہوں۔ اس کی شخصیت کرشمہ ساز ہو۔

## موثر قیادت کا انحصار:

موثر قیادت کا انحصار تین چیزوں پر ہے۔ (۱) قائد (۲) کارکنان (۳) ماحول۔

☆ قیادت اسی صورت میں موثر ہو سکتی ہے، جب کہ قائد کی اپنی شخصیت مضبوط اور موثر ہو۔

☆ دوسرا عنصر جو قیادت کو موثر بناتا ہے اور وہ خود کارکنان کی شخصیتیں ہیں جن سے کام لینا ہوتا ہے۔

☆ تیسرا عنصر جو قیادت کو موثر بناتا ہے وہ ماحول اور حالات ہیں جن کے درمیان قائد کو کام کرنا اور کرانا ہوتا ہے۔ان تینوں عناصر کے بارے میں ایک ایک کر کے ہم مختصراً کچھ وضاحتیں کریں گے۔

(الف) قائد کی اپنی شخصیت:

قائد کی اہمیت:

قائد کی شخصیت کسی بھی تنظیم کے لیے انتہائی اہم ہے اس لئے کہ:

ا۔ وہ نظم کی علامت ہوتا ہے جیسا قائد ویسی تنظیم۔

۲۔ قائد نظم کی قوت ارتکاز ہوتا ہے، ساری قوت واختیارات اسی کے پاس ہوتے ہیں، ہدایات وہیں سے ملتی ہیں، اپیلیں وہیں جاتی ہیں۔سب عمومی طور پر اسی کو جوابدہ ہوتے ہیں۔

۳۔ وہی نظم کی قوت متحرکہ ہے۔وہی نظم کو چلاتا ہے، وہی کارکنان میں جذبہ پیدا کرتا ہے۔ بروقت فیصلہ وہی کرتا ہے، اصلاح عمل کی ہدایات اسی سے ملتی ہیں، کسی بھی عمل پر تحسین وتادیب کا وہی ذمہ داری ہے۔أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء:۵۹) کا حکم اسی کے لئے ہے۔

قائد کی خصوصیات:

قائد کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں

ا۔ قائد کے اندر جذبہ لگن ہونا چاہیے۔دوسرے معنوں میں احساس ذمہ داری بدرجہ اتم موجود ہونا چاہیے۔(یہی صفت تقویٰ ہے)

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

''بیشک اللہ کی نظر میں تم میں زیادہ اکرام والا ہو ہے جو متقی ہے''۔

۲۔ کام وطریقہ کار کا علم اور تجربہ رکھتا ہو

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

''کہہ دیجئے کہ کیا جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے دونوں برابر ہیں''۔

۳۔ صحت مند ہونا چاہیے (چاق و چوبند ہو)

ایک صحت مند مومن ایک بیمار مومن سے افضل ہے (ابو ہریرہؓ)

۴۔ کام کا طریقہ:۔ منطقی، سائنسی اور دینی تعلیمات کے مطابق کام کر سکتا ہو۔

۵۔ قائد کے اندر قوت فیصلہ ہونا چاہیے

۶۔ ترغیب اور تادیب کی صلاحیت رکھتا ہو

۷۔ قائد کو اپنے معاملات میں دیانت دار ہونا چاہیے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کرو۔

۸۔ قائد کو مستقل مزاج ہونا چاہیے۔

۹۔ قائد کے اندر تقریر و تحریر کی صلاحیت ہونی چاہیے۔

۱۰۔ قائد کے رویہ میں حالات کے تحت لچک ہونی چاہیے۔

۱۱۔ قائد اپنے فیصلہ اور عمل میں قابل اعتماد ہو۔

## (ب) کارکنان (مقتدی) کے اثرات:

ایک تنظیم میں ہر طرح کے کارکنان ہوتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ کچھ کام کے تجربے رکھتے ہیں۔ کچھ عمر رسیدہ ہوتے ہیں۔ کچھ کی حیثیت معاشرہ میں بلند اور اعلیٰ ہوتی ہے، کچھ صحت مند ہوتے ہیں، کچھ کی صحت عموماً کمزور ہوتی ہے۔ کچھ قیادت سے توقعات رکھتے ہیں، کچھ کی ضروریات اہم ہوتی ہیں اور کچھ کام یا عمل کے بارے میں واضح خیالات رکھتے ہیں۔ ایک قائد کو ان میں سے کسی سے کام لیتے وقت ان کے پس منظر اور ان کی حیثیت کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ وہ ہر کارکن سے ایک ہی طرز عمل اختیار نہیں کر سکتا۔ کارکنوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے بہتر کام لینے کے لئے واضح اور دوٹوک ہدایت دینی ضروری ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نئے اور تجربے سے بالکل

خالی ہوتے ہیں۔ باعلم اور تجربہ رکھنے والے کارکنان آزادانہ کام کرنے کے مواقع چاہتے ہیں۔ وہ کام کے دوران یا منصوبہ بندی کے دوران مداخلت پسند نہیں کرتے۔ جو لوگ کم علم یا ست یا علم میں کمزور ہوتے ہیں ان کے ساتھ قائد کو اپنا اختیار استعمال کرنا چاہیے۔ پریٹو (Pareto) نے کارکنان کے طرز عمل پر فطری انداز میں روشنی ڈالی ہے کہ ہر تنظیم میں ۲۰ فیصد افراد ۸۰ فیصد کام کرتے ہیں اور ۸۰ فیصد افراد صرف ۲۰ فیصد کام کرتے ہیں۔

[ج] ماحول کے اثرات:

تیسرا عنصر جو قیادت پر اثر انداز ہوتا ہے وہ ماحول ہے جس میں قیادت کا فریضہ انجام دیا جارہا ہے۔ ماحول میں درج ذیل پانچ صورتیں شامل ہوتی ہیں۔

۱۔ نظم بالا کی ہدایات اور توقعات ایک قائد نظم بالا کی ہدایت کے خلاف نہیں جا سکتا۔ ساتھ ہی نظم بالا جو توقعات رکھتا ہے اسے بھی پورا کرنے کی کوشش ضروری ہوتی ہے۔

۲۔ کام کی نوعیت بھی قیادت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ عمومی کام عمومی انداز میں انجام دیئے جاتے ہیں مگر وقتی کام زیادہ توجہ چاہتا ہے اور ہنگامی کام نہ صرف یہ کہ زیادہ توجہ چاہتا ہے بلکہ فوری طور پر کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لئے اختیار کا استعمال نہ صرف ضروری ہے بلکہ ترغیب و تادیب کے عمل کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔

۳۔ ہر تنظیم کا ایک مزاج ہوتا ہے اور اس کی ایک ثقافت ہوتی ہے۔ کوئی بھی کام مزاج اور ثقافت سے ہٹ کر یا اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ عمومی طور پر یہ مزاج دینی یا سیاسی یا تجارتی یا مشترکہ ہوتا ہے۔ قائد کو اپنے فیصلہ میں یا کسی فیصلہ یا منصوبہ پر عملدرآمد میں اس مزاج کا لازمی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

۴۔ وقت کا دباؤ: عمومی طور پر کام زیادہ ہوتا ہے جو کسی معینہ وقت میں انجام دینا ہوتا ہے۔ وقت کی تنگی قیادت پر بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ کام مکمل اور اطمینان بخش طور پر انجام دینے کے لئے قائد کو بعض اوقات فوری فیصلے کرنے پڑتے ہیں تا کہ کم یا متعین وقت میں مقصد حاصل ہو جائے۔ وقت محفوظ نہیں

کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی سے مستعار لیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات فوری اور غلط فیصلے نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے قائد کو بچنا ہوتا ہے۔

۵۔ دوسرے ہم رتبہ قائدین کی طرز قیادت اسی تنظیم میں یا کسی دوسری متقابل تنظیم میں اسی سطح اور رتبہ کے قائدین کے فیصلے نظیر بن جاتے ہیں۔ اگر قائد کوئی ایسا فیصلہ کرے جو دوسرے ہم رتبہ قائدین کے فیصلوں کے برخلاف ہو تو کارکنان کا ذہن اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ قائد کو اپنے فیصلہ کی توجیہ ایسے انداز میں کرنی ہوتی ہے کہ اس پر عمل درآمد کرنے والوں کا ذہن نہ صرف یہ کہ مطمئن ہو بلکہ وہ اسی میں بہتری سمجھتے ہوں، تب ہی وہ تعاون پر آمادہ ہوتے ہیں۔ بصورت دیگر اگر سمع وطاعت کے تحت کارکنان اس کام کو انجام بھی دینے کی کوشش کریں تو بھی کارکردگی کا معیار بلند نہ ہوگا۔

قائد کی ذمہ داریاں:

اب ہم اس کا مطالعہ کریں گے کہ ایک قائد کی ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں۔ علم ادارہ کے دوسرے ماہر بلا نکارڈ (Blanchard) کا کہنا ہے کہ "مخصوص حالات کے تحت قائد سے اس کے کارکنان (مقتدیوں)، نظم بالا اور خود اس کی اپنی توقعات، کہ کام کرانے کے سلسلے میں اس کا طرز عمل کیا ہونا چاہیے" ہی اس کی ذمہ داریاں ہیں، اب کارکنان و نظم بالا اور خود اس کی اپنی توقعات کیا ہو سکتی ہیں ان پر ہم ایک ایک کر کے روشنی ڈالیں گے۔

## [الف] اشتراک عمل

اس ذمہ داری کے تحت دو طرح سے اشتراک عمل کیا جانا چاہیے۔ پہلا مرحلہ منصوبہ بندی کا اور دوسرا مرحلہ عمل درآمد کے دوران کا ہے۔

ا۔ منصوبہ بندی: ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کا باقاعدہ منصوبہ بندی کیا جانا چاہیے۔ اس منصوبہ بندی کی تیاری میں ایک قائد کو منصوبہ کے مختلف پہلوؤں کے ماہرین سے مشورہ کرنا چاہیے بلکہ ایسے ماہرین پر مشتمل کمیٹی بنائی جائے جو منصوبہ کے پانچ یعنی "کیا، کب، کہاں، کس طرح اور کون"

کا جواب تیار کرے۔

۲۔ جب منصوبہ تیار ہو جائے اور اس پر اتفاق ہو جائے تو دوسرا مرحلہ عمل درآمد کا ہے۔ عمل درآمد کے لئے قائد کو کارکنان میں ذمہ داریاں تقسیم کرنی چاہیے۔ کام کے لئے مناصب بنائے جائیں اور تقرریاں کی جائیں۔ وسائل کی تقسیم ضرورت اور اہمیت کے مطابق کی جائے اور پھر عمل درآمد کے دوران کام اور وسائل پر نظر رکھی جائے اور بوقت ضرورت مناسب تبدیلیاں اور ردوبدل کیا جائے۔

## (ب) اتصال، رابطہ: (Communication)

ایک قائد کو تین سمتوں میں باقاعدہ رابطہ وملاقات رکھنا چاہیے۔

۱۔ پہلی سمت نظم بالا ہے۔ نظم بالا کو کارکردگی، ضروریات اور منصوبوں پر عمل درآمد کی رفتار اور مسائل سے ہمیشہ باخبر رکھنا چاہیے۔

۲۔ دوسری سمت اپنے زیر قیادت افراد ہیں۔ ان سے انفرادی اور اجتماعی روابط و ملاقات ہوتی رہنی چاہیے۔ ان کو تحریری و زبانی ہدایات ومشورہ دیا جانا چاہیے۔ ان سے مختلف امور پر معلومات لینی چاہیے۔

۳۔ تیسری سمت برابر کی سطح کا نظم اور نظم کے ماہر افراد ہیں۔ ان سے رابطہ، معلومات کے لئے ضروری ہے۔ ان سے سیکھا جا سکتا ہے۔ ان سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ ان سے تقابل کے ذریعہ کارکردگی کو بڑھایا جا سکتا ہے۔

## [ج] مسائل کا حل

تنظیم کے کاموں میں چونکہ مختلف الخیال اور مختلف علم و تجربہ وصلاحیت رکھنے والے افراد شریک ہوتے ہیں، لہٰذا اختلاف رائے کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ بعض اوقات یہ اختلاف رائے شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ جس سے سنجیدہ مسائل یا تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک قائد کی ذمہ داری ہے کہ ان مسائل و تنازعات کو بروقت حل کرے اور اس میں افہام وتفہیم کا طریقہ عموماً اختیار کیا جانا چاہیے۔

اگر شدت اتنی ہے کہ افہام و تفہیم مشکل ہے اور وقت متقاضی ہو تو قائد کو اپنا اختیار اور قوت دونوں استعمال کرنا چاہیے۔

(ہ) ضروریات اور سہولتوں کی بہم رسانی:

کسی بھی تنظیم کے کارکنان جسم و جان رکھتے ہیں۔ یہ دونوں جب تک صحت مند، چاق و چوبند اور توانا نہ ہوں گے کارکردگی اچھی نہ ہوگی۔ قائد کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان دونوں کو توانا اور صحت مند رکھنے کے لئے ان کی ضروریات پوری کرے اور دیگر سہولتیں مہیا کرے۔ مثلاً جسم جب تھک جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ آرام چاہتا ہے بلکہ توانائی حاصل کرنے کے لئے غذا بھی چاہتا ہے، صاف ستھری ہوا اور روشنی بھی چاہتا ہے۔ اب یہ قائد کی ذمہ داری ہے کہ حالات اور مواقع کو مدنظر رکھتے ہوئے کارکنان کے لئے چھٹی، ماکولات، مشروبات، طبی امداد اور صحت منداور پرفضا ماحول مہیا کرے۔ اگر کام کے لیے سفر ضروری ہے تو وسائل نقل و حرکت مہیا کرے۔ اسی طرح کام کو کرنے کے لیے نئے نئے طریقے اور تکنیک وجود میں آ رہے ہیں۔ قائد کی ذمہ داری ہے کہ کارکنان کی تربیت کا انتظام کرے اور ان کی علمی اور جسمانی صلاحیت بڑھانے کا انتظام کرے۔ اسی طرح روح کی غذا کے لئے تذکیر اور تزکیہ کا انتظام کرے۔ حضور ﷺ کا مشن بھی تزکیہ تھا:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُزَكِّيْهِمْ

"وہ انہیں اس کی آیات سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے تھے"۔

فساد نظم کو روکنا:

جہاں قائد کی ذمہ داری ہے کہ نظم کو چلائے وہاں اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ نظم و ضبط کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھے بلکہ اسے پختہ سے پختہ تر کرے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایسے اقدامات کرے جس سے نظم مضبوط ہو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسے اقدامات بھی کرے جس سے نظم میں فساد نہ پیدا ہو سکے اور اگر کبھی کسی وجہ سے یہ فساد سر اٹھائے تو اس کو فوری اور مکمل طور پر دبا دے۔ فساد نظم پیدا ہونے یا

کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ان میں سے چند یہ ہیں۔

سمع واطاعت کی خلاف ورزی کرنا، نظم وضبط کو اپنے ہاتھ میں لینا، کارکنان میں عدم اطمینان اور بے چینی پیدا کرنا، احتساب بے موقع کرنا، بات بے بات عیب جوئی کرنا، غیبت کرنا، وہ سارے یا چند عمل اختیار کرنا جن کی نشاندہی سورۃ الحجرات میں کی گئی ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے۔ نجوی کرنا، کانا پھوسی کرنا، کام میں سستی برتنا، نظم کے فیصلوں پر بے موقع تنقید کرنا، ضابطہ واصول کی خلاف ورزی کرنا وغیرہ۔

قائد کا یہ فرض ہے کہ جب کبھی ایسی بات اس کے علم میں آئے وہ فوری طور پر اس کی اصلاح کرے اور ایسے اقدامات کرے کہ آئندہ ایسی بات کرنے یا کہنے پر ارکان میں جھجک اور خوف پیدا ہو۔فساد نظم کے کسی بھی عمل کو اگر کسی بھی سطح اور موقع پر نظر انداز کر دیا جائے تو یہ عمل رفتہ رفتہ دیمک کی طرح تنظیم کی یک جہتی، تعاون، اخوت اور نظم وضبط کو چاٹ جاتا ہے۔ جو قائد فساد نظم کو روکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا موقع پر اصلاح اور تادیب نہیں کرسکتا وہ جلد ہی تنظیم میں ٹوٹ پھوٹ کا باعث بن جاتا ہے۔

## طرز قیادت:

اگر غور کیا جائے تو ہر قائد کا اپنی خصوصیات اور ذہنی وتربیتی اٹھان کی بنا پر اپنا ایک طرز قیادت ہوتا ہے۔مگر طرز کے سارے ہی انداز کسی نہ کسی طور پر دو زمروں میں سے کسی ایک کے تحت ہوتے ہیں۔

تجربات اور مشاہدات سے علم الادارہ کا ''محقق شناں'' اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ'' اپنا کردار کما حقہ، ادا کرنے کے سلسلہ میں قائد کو دو مختلف نظریہ ہائے قیادت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا ہوتا ہے''۔

یہ دو مختلف طرز قیادت یہ ہیں:

[الف] اثر واختیار کا استعمال

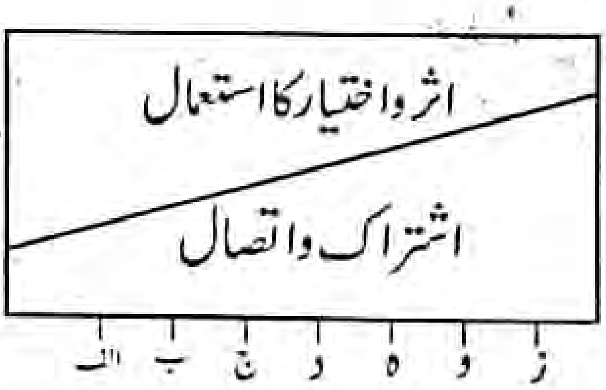
[ب] اشتراک ورابطہ کا طریقہ

تحقیقات سے دوسرا طرز یعنی اشتراک ورابطہ کا طریقہ زیادہ کامیاب پایا گیا ہے، مگر اس کے برعکس پہلا طریقہ یعنی قائد کا اپنا اثر واختیار استعمال کرنا خاصے معاملات میں زیادہ بہتر ثابت ہوا ہے۔

جیسے فوجی یا جنگی مہمات۔ یہ سمجھنا بھی اہم ہے کہ قائد پیدا نہیں ہوتے بلکہ بنائے جاتے ہیں۔

## طرز قیادت کے مختلف انداز:

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہر قائد کا طرز درج بالا دو زمروں (الف) اور (ب) میں سے کسی ایک کے تحت ہوتا ہے یا دونوں ہی کا مختلف معاملات میں کسی نہ کسی حد تک شائبہ اور اثر ہوتا ہے۔ تجربہ و مشاہدات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ان دونوں طرز ہائے قیادت کے تحت سات مختلف طریقوں میں سے عموماً کوئی ایک انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ درج ذیل مستطیل پر نظر ڈالنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔ مستطیل کے درمیان جو خط ہے وہ اس کو دو طرز قیادت میں تقسیم کرتا ہے۔ خط کے اوپر کا حصہ وہ طرز قیادت ہے جو اثر و اختیار کا استعمال دکھاتا ہے اور زیریں حصہ کارکنان کی آزاد روی یا ان کا اشتراک دکھاتا ہے۔ مستطیل میں (الف) کے اوپر مستطیل کا بالائی رقبہ سب سے زیادہ ہے اور زیریں رقبہ سب سے کم، یعنی جو قائد اپنے اثر اور اختیار کا استعمال زیادہ سے زیادہ کرتا ہے اور کارکنان کو فیصلہ میں آزادی یا ان اشتراک کم سے کم لیتا ہے اس کا انداز (الف) سے دکھایا گیا ہے۔ ایسا قائد خود فیصلہ کرتا ہے، اس کا اعلان کرتا ہے اور اس پر عمل درآمد کراتا ہے۔ یہ بات شکل سے واضح ہے کہ الف سے جب "ز" کی طرف چلتے ہیں تو اثر و اختیار کا استعمال کم ہو جاتا ہے اور کارکنان کو فیصلہ کرنے میں آزادی اور عمل درآمد بڑھتا جاتا ہے۔




شکل نمبر ۱ : طرز قیادت کے مختلف انداز:

دوسرے حروف کی تشریح مختصراً درج ذیل ہیں۔

(ب) جس قائد کا انداز قیادت (ب) ہے وہ فیصلہ خود کرتا ہے اور کارکنان کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

(ج) اس انداز قیادت میں قائد اپنے خیالات کارکن بتاتا ہے۔ سوال و جواب کے بعد اپنا فیصلہ نافذ کرتا ہے۔

(د) قائد ممکنہ فیصلہ کارکنان کے سامنے رکھتا ہے اور ان کے مشورہ پر ممکنہ تبدیلی پر رضا مند ہو جاتا ہے۔

(ہ) یہ انداز اس قائد کا ہے جو مقصد بتا کر رائے لیتا ہے اور پھر فیصلہ خود کرتا ہے۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالی نے اسی کی ہدایت کی تھی۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران:۱۵۹)

''معاملہ میں ان سے مشورہ کرو اور جب فیصلہ کرلو تو اللہ پر توکل کرو''۔

(و) یہ انداز اس قائد کا ہے جو مقصد بتاتا ہے۔ مشورہ کرتا ہے اور پھر مشترکہ طور پر کسی فیصلہ پر پہنچتا ہے۔ اللہ نے مومنین کی صفات یہی بیان کی ہیں کہ

وَ أَمْرُهُمْ شُوْرَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۳۸)

''وہ اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے طے کرتے ہیں''۔

(ز) یہ قیادت کارکنان کو مقصد بتا کر ان کو کلیۂ آزاد چھوڑ دیتی ہے اور اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتی ہے۔ یہ انداز قیادت تنظیم میں افراتفری پیدا کر دیتا ہے۔

بناوٹی قیادت:

اس مؤثر قیادت کے مقابلے میں دوسری بناوٹی قیادت بھی ہوتی ہے۔

بناوٹی قائد کون ہوتا ہے؟

بناوٹی قائد وہ ہوتا ہے جو اجلاس میں بغیر تیاری کے آجاتا ہے اور کہتا ہے: ''میں بھی آپ ہی میں سے ہوں، آپ مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ لوگ جس بات پر متفق ہوں گے میں وہی کروں گا، یا یہ کہ بغیر تیاری کے اجلاس میں آتا ہے اور پھر ارکان شوریٰ کی رائے لئے بغیر اپنی رائے منواتا ہے''۔

قائد کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ارکان کے سامنے آنے سے ایجنڈے اور زیر بحث امور پر پہلے اپنی تیاری مکمل کرلے اور ان کے لیے متبادل تجاویز بھی سوچ لے جن پر وہ بحث اور فیصلہ کرسکیں۔ ایک ساتھی ایسے بھی تھے جو کہتے تھے کہ ''مجھے تقریر کا عنوان پہلے سے مت بتاؤ جب میں تقریر کے لیے کھڑا ہونے لگوں تو بس میرے کان میں عنوان بتادو''۔

یہ سامعین کی ذہانت کی توہین نہیں تو اور کیا ہے؟

## خاکہ

قیادت اور قائد کی ذمہ داریاں

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ

### ۱۔ قیادت کی تعریف

کارکنوں کو منظم کرنا، رہنمائی کرنا اور ان کے رویہ پر اثر انداز ہونا

### ۲۔ قیادت کے لوازم

☆ اثر

☆ اختیار

☆ مقبولیت

### ۳۔ موثر قیادت کا انحصار

☆ قائد کی شخصیت

☆ نظم کی علامت، مرکز، قوت متحرکہ

☆ قائد کی خصوصیات

☆ تقویٰ، تجربہ، علم، صحت، قوت فیصلہ، دیانت، ترغیب وترہیب وغیرہ

☆ کارکنان کی خصوصیات: باعلم، تجربہ کار، کم علم، سماجی رتبہ، خاندانی پس منظر وغیرہ

☆ ماحول کی خصوصیات: نظم بالا، مزاج، وقت، ہم رتبہ قائدین

۴۔ قائد کی ذمہ داریاں

☆ اشتراک عمل

☆ منصوبہ، کام ووسائل کی

☆ اتصال وروابط

☆ نظم بالا، ماتحت نظم، برابر کی سطح

☆ مسائل کا حل

☆ اختلاف رائے، افہام وتفہیم، اختیارات

☆ سہولتوں کی فراہمی

☆ فساد نظم کو روکنا

۵۔ طرز قیادت

☆ اثر واختیار کا استعمال

☆ اشتراک واتصال کا طریقہ

☆ مختلف انداز

# ٹیم ورک

یہ مضمون دفتری، کاروباری اور معاشرتی انداز کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ تنظیم، دعوت، سیاست، اجتماعی منصوبوں کے تناظر میں اصطلاحات کو تبدیل کر کے پڑھنے کی کوشش کیجئے، سوچ کے راستے سامنے آئیں گے (مرتب)

## سبق حاصل کیجئے:

۱۔ شہد، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس میں شفا ہے۔ مگر شہد کی تیاری ایک بے حد محنت طلب کام ہے۔ آدھے کلو کے قریب شہد تیار کرنے کے لیے شہد کی مکھیوں کو تین لاکھ میل تک کا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ ایک مکھی کی عمر چند مہینے سے زیادہ نہیں ہوتی، اس لیے کوئی ایک مکھی تنہا آدھا کلو شہد تیار نہیں کر سکتی، خواہ وہ اپنی عمر کا ہر لمحہ پھولوں کا رس جمع کرنے میں لگا دے۔

یہ مشکل کیسے آسان ہوئی؟ مکھیوں نے مل کر، منظم ہو کر، ایک ہو کر، شہد بنایا۔ شہد کی تیاری کو اللہ تعالیٰ نے ایک بے حد وسیع اور پیچیدہ نظام سے وابستہ کر دیا۔ اس حیرت انگیز نظام کے اندر انسان کے لیے بے شمار سبق ہیں۔

ایک بڑا سبق ہے ٹیم ورک۔ یہ قدرت کا سبق ہے۔ کچھ کام ایسے ہیں جن کو ہر آدمی کم وقت میں اپنی ذاتی کوشش سے انجام دے سکتا ہے، مگر کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن کو کوئی شخص تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ ایسے کام کو واقعہ بنانے کی واحد ممکن شکل وہی ہے جو شہد کی مکھی کی مثال میں نظر آتی ہے۔ یعنی بہت سے لوگ مل کر، ایک بن کر، اسے انجام دیں۔ (راز حیات، مولانا وحید الدین خان)

۲۔ چند سالوں ہی کی بات ہے، امریکہ اور آسٹریلیا کے بحر الکاہل ساحلی شہروں کے درمیاں خط و کتابت کی ترسیل میں کافی وقت لگتا تھا۔ تین دوستوں نے، جن کے نام انگریزی حروف ڈی، ایچ، ایل سے شروع ہوتے تھے، سوچا کہ وہ بھیجنے والے سے خط لے کر، خود جلد از جلد مخاطب تک پہنچائیں۔ انہوں نے ایک ٹیم بنا کر اپنے تخیل کو قابل عمل بنا کر اس مشکل کو آسان کر دیا۔ جو طریقہ کار انہوں نے

وضع کیا، وہ اب کوریئر سروس کے نام سے مشہور ہے۔

۳۔ ۱۹۸۶ء میں شارجہ کپ کے ون ڈے میچ میں پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں جیتنے کے لیے چار رنز درکار تھے اور بس دو گیندیں باقی تھیں کہ توصیف احمد نے ایک رن لے کر جاوید میاں داد کو آخری بال کھیلنے کا موقع دیا۔ اسی آخری بال پر شارجہ کا چھکا ایک محاورہ بن گیا اور پاکستان یہ میچ جیت گیا۔ یہ کام لاجواب ٹیم سپرٹ نے کر دکھایا۔

۴۔ دو کہانیاں ہم سب بچپن میں ہی پڑھتے اور سنتے ہیں۔ ایک یہ ہے ایک بزرگ کا انتقال ہو رہا تھا۔ انہوں نے لکڑیوں کا گھٹا منگوا کر اپنے بیٹوں کو دیا کہ اسے توڑ دو مگر کوئی بیٹا نہیں توڑ سکا۔ پھر انہوں نے لکڑیاں الگ الگ کر دیں۔ اب وہ آسانی کے ساتھ توڑ دی گئیں۔ یوں بزرگ نے اپنی اولاد کو اتحاد کی نصیحت اور وصیت کر دی۔ کہانی سب کو معلوم ہے مگر ہمارے ملک میں اس کہانی پر عمل کتنا ہو رہا ہے، وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ ہم الگ الگ لکڑیاں ہیں، جو توڑی جا رہی ہیں۔

دوسری کہانی یوں ہے:

ایک عمارت میں آگ لگ گئی، لوگ اپنی اپنی جانیں بچا کر بھاگنے لگے۔ عمارت میں دو معذور افراد بھی تھے ایک لنگڑا، دوسرا نابینا۔ ان دونوں نے اپنی کمزوریوں سے مصالحت کر کے اور آپس میں مل کر جان بچائی۔ نابینا کے کاندھے پر لنگڑا سوار ہو گیا، اور وہ نابینا کی راہ نمائی کرتا گیا، اس طرح دونوں اس آگ سے نکل گئے۔ کاش ہمارے ملک کے لوگ اور خصوصاً مذہبی جماعتیں موجودہ آگ سے نکلنے کے لیے ان معذوروں کے عمل ہی سے فائدہ اٹھائیں۔

## اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے؟

ہم ٹیم ورک کے موضوع پر بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ دفتر، کارخانے، کاروبار، تعلیمی اداروں، بلدیاتی سیاست، قومی سیاست، کھیل، فوج، دعوت و تبلیغ اور اجتماعی امور، غرض زندگی کے میدان میں جہاں جمع ہو کر لوگ کام کرتے ہیں، کامیابی اور اہداف کا حصول ٹیم ورک کے بغیر ممکن نہیں

ہر جگہ آگ سے بچنے کے لیے وہ دو معذور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں دیکھو، ہم سے سبق لو، اپنے آپ کو بچاؤ۔ لوگ کام کے لیے جمع تو ہو جاتے ہیں، ایک نہیں بنتے، ٹیم نہیں بنتے، یہی وجہ ہے کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہو رہا۔ ہمیں نہ صرف اہداف حاصل کرنا ہیں، اپنی جان بچانی ہے بلکہ اس آگ کو بھی بجھانا ہے جو کسی نے پٹرول پھینک کر، کسی نے تیلی پھینک کر بھڑکائی ہے اور مزید پٹرول چھڑکا جا رہا ہے۔

## تین قسم کے افراد:

ہر معاشرے میں کام کرنے والے افراد تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو کسی کے ماتحت ہی کام کرنا پسند کرتے ہیں اور اسی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے مزاج میں حاکمیت ہے اور وہ ہمیشہ لوگوں کو زیر کر کے ہی کام کرنا پسند کرتے ہیں۔ تیسری قسم ان افراد کی ہے جو ہر صورت حال میں لوگوں کے ساتھ مل کر اونچ نیچ کے ساتھ کام کر لیتے ہیں۔

ہمارے ملک میں بڑی تعداد پہلی قسم کے افراد کی ہے۔ اس کی وجہ ہمارا نظام تعلیم اور دو سو سالہ غلامی ہے۔ نظام تعلیم اور غلامی نے ہماری اکثریت کو غلاموں کی طرح کام کرنے کی عادت ڈال دی ہے۔ وہ مزاجاً اتنے ماتحتی پسند ہو گئے ہیں کہ ہر وقت صاحب کا حکم سننے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ پہلی قسم سے بہت کم ہیں، مگر جو ہیں وہ ذہناً اور مزاجاً اتنے آگے بڑھے ہیں کہ انہیں ہر ماتحت کو، پوری قوم کو غلام بنا کر رکھنا ہے۔ ایک سرکاری دفتر میں، جہاں ہر کمرے میں انٹرکام لگے ہوئے تھے، ایک درجہ بڑے صاحب نے اپنے ماتحت کو چپڑاسی کے ذریعے بلایا، اور جب وہ آیا تو اسے کہا کہ وہ مطلوبہ فائل لے آئے۔ اب دیکھیے، اس ذہنیت کو وہ انٹرکام فون پر بھی کہہ سکتے تھے، چپڑاسی سے بھی کہلوا سکتے تھے کہ فلاں فائل لے آؤ، مگر چپڑاسی سے بلائے بغیر وہ اپنے آپ کو صاحب کیسے ظاہر کریں۔ بدقسمتی سے اہل منصب حضرات کو اسی چیز کا خمار چڑھا ہوا ہے۔ گھروں میں، دفتروں میں، مسجدوں میں، حکومت میں۔ اسی خمار کو لوگ آمریت، بیوروکریسی اور جاگیرداری کہتے ہیں۔

افراد کی تیسری قسم، درحقیقت ہمیں مطلوب ہے، مگر اس کا شدید فقدان ہے۔ ٹیم اسپرٹ کے ساتھ

کام کرنے کا تصور ابھی تک لوگوں تک پہنچا ہی نہیں، اور اگر پہنچا ہے تو لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے۔ صاحب سمجھتے ہیں کہ ماتحت کام کریں گے، ماتحت کہتے ہیں کہ ہمیں کیا پڑی ہے، ہمارا کیا بگڑے گا، ہماری تنخواہ بھی کم ہے، بس جتنی تنخواہ اتنا کام، ہم کام کیوں کریں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ہر لمحے، ایک قدم پیچھے جا رہا ہے، ہر لمحے بگاڑ بڑھ رہا ہے، اہداف پیچھے جا رہے ہیں، ہم ہر لمحے، آئندہ نسلوں کو لاکھوں روپے کا مقروض کر رہے ہیں۔ درحقیقت ہمیں اس وقت ہر شعبے میں ٹیم ورک کی شدید ضرورت ہے۔

## مل کر بھونکنا اور ہڈی کے لیے لڑنا:

ہمارے ہاں جذباتی قسم کا ٹیم ورک تو خوب نظر آتا ہے۔ یعنی کوئی دشمن آجائے تو مل کر اسے بھگانے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی مر جائے تو مل کر تجہیز و تکفین و تدفین کر لیتے ہیں۔ مگر کسی ہدف کے لیے مل کر کام کرنے کا تصور موجود نہیں۔ ایک صاحب نے ہم لوگوں کے بارے میں عجیب سی مثال دی۔ مثال بری ہے، مگر حقیقت کو تسلیم کرنا بھی عظمت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری مثال تو کتوں کی طرح کی ہے۔ جب کوئی اجنبی نظر آتا ہے تو سب مل کر بھونکتے ہیں، اور جب کوئی ہڈی پھینکتا ہے تو آپس ہی میں لڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ زندگی کے مختلف شعبوں میں دیکھیے، آپ کو ہر جگہ آئینہ نظر آئے گا۔ کاروبار نقصان میں ہے، سب مل کر قربانی دیتے ہیں۔ جہاں نفع آنا شروع ہوا، وہاں شرکا آپس میں لڑنے لگے۔ یونین سازی، دفتری مسائل اور ملکی و قومی سیاست، ہر جگہ بھونکنا اور ہڈی کے لیے لڑنا نظر آتا ہے۔

## ٹیم ورک کی ضرورت:

مل کر اور ٹیم بن کر کام کرنا قربانی کے بغیر ممکن نہیں، اور یہ قربانی کی قیمت پر ہوتی ہے، اور وہ قیمت صبر ہے۔ آدمی کے لیے اپنے اندر اٹھنے والے منفی جذبات کو ختم کرنا اور قابو میں رکھنا یہی وہ چیز ہے جو ہر اجتماعی عمل کو ممکن بناتی ہے۔ مل کر کام کرنے میں اصل رکاوٹ یہ ہے کہ افراد کی اپنی شخصیت اس میں نہیں ابھرتی، ان کے مفادات پورے نہیں ہوتے، انہیں مطلوبہ جاہ و مال حاصل نہیں ہوتا۔ جہاں افراد

کی نظر میں اپنی شخصیت اور اپنے مفادات کو ترجیح ہو سکتی ہے، وہ افراد کبھی اجتماعی عمل میں کامیاب نہیں ہو سکتے، اور اسی لیے وہ کوئی بڑی ترقی بھی نہیں کر سکتے۔ بڑی ترقی حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ اتحاد ہے۔ اتحاد ایک کو کئی گنا بنا دیتا ہے، وہ کوشش کی مقدار کو کئی گنا زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک اور ایک دو نہیں ہوتے بلکہ گیارہ ہوتے ہیں۔

جب ٹیم ورک کی اہمیت کے بارے میں دفتری اور کاروباری حوالے سے گفتگو ہوتی ہے، تو چند لوگ کہتے ہیں کہ بعض اوقات ٹیم بنانے سے وہ قوت پیدا نہیں ہوتی جو مطلوب ہوتی ہے، کیونکہ لوگ دوسروں پر کام ٹالتے اور ڈالتے ہیں۔ جیسے، اگر آپ ایک میز اٹھا رہے ہیں، آپ کے ساتھ آپ کا ماتحت ہے، بظاہر آپ دو حضرات مل کر میز اٹھا رہے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے تو ہلکے انداز سے میز پکڑی ہوئی ہے جبکہ اصل وزن ماتحت پر آ رہا ہے۔ اس مزاج کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آیئے، اب مثبت اور منفی پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے گفتگو کریں۔

## ٹیم اور ٹیم ورک کیا ہے؟

☆ ٹیم کسی گفتگو کی مجلس یا باہمی ملاقات کے کلب کا نام نہیں، بلکہ یہ کسی مفوضہ کام کرنے کے لیے جمع ہو جانے کا نام ہے۔ جو کام انفرادی طور پر ناممکن ہوتا ہے، وہ گروپ کی صورت میں ممکن بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ ٹیم کے ذریعے مجموعی کام اور نتائج روایتی انداز کے ذریعے کام کرتے ہوئے انفرادی کام اور نتائج کے مجموعے سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ٹیم صلاحیتوں کو مجتمع کر کے ان سے کئی گنا فائدہ اٹھانے، اور ایک دوسرے کی کمزوریوں اور کمیوں کو پورا کرنے اور ان کا ازالہ کرنے کے لیے منظم کی جاتی ہے۔

☆ ٹیم کے ارکان کی خصوصیات میں آپس میں انحصار شامل ہے۔ ٹیم ورک میں ہر شریک حصہ لیتا ہے، اپنے حصے کا کام کرتا ہے، ساتھی کی مدد کرتا ہے، ٹیم کے منصوبے کے مطابق کرتا ہے، اپنے کام کو دوسروں کے کام کے ساتھ مربوط رکھتا ہے۔ ہر شریک ٹیم ورک کے فوائد سے حصہ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے فوائد سے صنعت، معیشت، معاشرہ، دعوت و تنظیم اور مملکت کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

☆ ٹیم کے لیے اپنی افادیت اور کارگزاری کا باقاعدہ جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ یہاں معلومات راز میں نہیں رکھی جاتیں، بلکہ احساس شرکت کے ساتھ باہمی اعتماد کے ذریعے حفظ مراتب کا احترام کرتے ہوئے کام کیا جاتا ہے۔

☆ ٹیم کے ذریعے اچھے اور صحیح فیصلوں پر پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ مارکیٹنگ کا شعبہ ہو، پیداوار کا یا دعوت وتبلیغ کا۔ جہاں اجتماعی طور پر کام ہو رہا ہو وہاں فیصلوں میں سب کی شرکت کے باعث ترقی کی راہیں کھلتی رہتی ہیں۔

☆ ٹیم کے ذریعے مستقبل کے مسائل کا زیادہ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور ان کے سدباب یا حل کے لیے بہتر منصوبہ بندی اور کوشش کی جاتی ہے۔

اعلیٰ افسران اور صاحب منصب حضرات عموماً ٹیم ورک کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ اس وجہ سے انہیں اپنی افادیت میں کمی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ان کی عدم صلاحیت اور کم قابلیت کے باعث وہ احساس تحفظ کے نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں اور انہیں ہر وقت یہ ڈر رہنے لگتا ہے کہ کہیں ٹیم ورک کے ذریعے کوئی متبادل یا موثر شخصیت نمودار نہ ہو جائے یا ان کی شخصیت نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔

☆ ٹیم سے بعض اوقات فوری فوائد حاصل ہو جاتے ہیں، مگر عموماً یہ فوائد لمبی مدت میں حاصل ہوتے ہیں۔ یہ لمبی مدت چھ ماہ سے دو سال کے عرصے پر محیط ہوتی ہے۔ اس ٹیم ورک کے ذریعے انقلاب نہیں لایا جاتا بلکہ تبدیلی لائی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تبدیلی کا عمل وقت لیتا ہے۔

☆ ٹیم میں شرکاء کی حیثیت سے ملازمین، افسران، مزدور اور سپروائزر یعنی مختلف مراتب کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ انہیں آپس میں ایک دوسرے کو سمجھنے اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ٹیم ورک کے لیے اختلافات کی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ ٹیم میں نہ تو آمرانہ انداز میں فیصلے ٹھونسے جاتے ہیں اور نہ ہی جمہوری انداز میں سر اور ٹانگیں گنی جاتی ہیں، بلکہ اتفاق رائے سے فیصلے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ٹیم کے ذریعے ذہنی ہم آہنگی پیدا کی

جاتی ہے اور اجتماعی اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☆ ٹیم ورک عموماً وسعت کے ماحول میں ہوتا ہے، جہاں لوگ زیادہ ہوں، فکر، تخلیق اور اظہار رائے کی آزادی ہو۔ گھٹن اور سخت کنٹرول کے ماحول میں یہ کام نہیں ہوتا۔ مثلاً فٹ بال، ہاکی، باسکٹ بال اور کرکٹ کے میدانوں میں کھلاڑیوں کے لیے ٹیم ورک میں آسانی ہوتی ہے اور یہ کارآمد بھی ہوتا ہے۔ مگر ٹیبل ٹینس، شطرنج اور دیگر انڈور گیمز میں یہ کام زیادہ مفید نہیں ہوتا۔ اسی طرح پیداوار، مارکیٹنگ اور دعوت و تبلیغ کے شعبوں میں یہ کام انتہائی بہتر انداز سے ہو سکتا ہے، جبکہ فنانس اور اکاؤنٹ کے شعبوں میں کنٹرول اور طریقہ کار کی پیچیدگیوں اور قیادت کے فقدان کے باعث یہ کام آسانی سے نہیں ہو سکتا۔ بحرانی کیفیت اور ٹارگٹ کے اوقات میں ان شعبوں میں یہ کام کر لیا جاتا ہے، مگر عموماً ٹیم ورک کے مزاج کی کمی ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

## ٹیم کی ضرورت:

درج ذیل چند حالات اور مواقع ایسے ہیں جہاں ٹیم بنا کر کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ جہاں انتظامیہ اور عمومی قیادت غیر موثر ہو گئی ہو۔

۲۔ جہاں مفلوج اور فرسودہ طریقے اور ٹیکنالوجی رائج ہو۔

۳۔ جہاں اخراجات مسلسل بڑھ رہے ہوں، کارکردگی اور پیداوار کم ہو رہی ہو۔

۴۔ جہاں کام اور پیداوار میں اضافہ نہ ہو رہا ہو اور محنت اور خرچ سے حاصل ہونے والے نتائج اور منافع میں کمی آ رہی ہو۔

۵۔ جہاں اداروں میں اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہو۔

۶۔ جہاں پیداوار، افادیت اور معیار کی بلندی کی ضرورت ہو۔

۷۔ جہاں کارکنوں میں گھٹن بڑھ رہی ہو، احساس تحفظ کم ہو رہا ہو اور غیر حاضریوں کا رجحان بڑھ رہا ہو۔ جھگڑے اور تنازعات پیدا ہو رہے ہوں۔

ٹیم کی قسمیں:

ہم آسان الفاظ میں ٹیم کی دو قسمیں کریں گے: رسمی، اور غیر رسمی۔

غیر رسمی ٹیم:

اسے آپ ورک ٹیم کہہ سکتے ہیں۔ یہ درحقیقت ایک ماحول اور اسپرٹ اور جذبے سے تشکیل پاتی ہے۔ یہ کسی اجتماعی مقصد کے حصول کے لیے آپس میں کام کرتے ہوئے، افراد کا ٹیم اسپرٹ کے ساتھ کام کرنے کا نام ہے۔ ایک ہی شعبے میں ایک سے زیادہ ٹیموں کی تشکیل ممکن ہوتی ہے۔ عموماً یہ مسلسل کام کرتی ہیں اور طویل المیعاد ہوتی ہیں۔

ممبران کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ آپس کا کھچاؤ، اندرونی سیاست، منافرت اور سخت برتاؤ ہو تو ٹیم کی تعمیر اور تشکیل میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ ان سے اجتناب ضروری ہے۔ یہاں ٹیم کی تشکیل میں افراد کو ٹھونسا نہیں جاتا بلکہ ان کی اہلیت اور صلاحیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات افراد کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شعبے کی مختلف ٹیموں میں سے کسی ایک میں شامل ہو سکیں۔ خواہ وہاں افراد کا تفصیلی انٹرویو لیا جاتا ہے، انہیں مجوزہ ٹیم کے امور اور ذمہ داریوں کی تفصیلات سے آگاہ کرایا جاتا ہے، موقع محل دکھا دیا جاتا ہے، سوچنے کے لیے وقت دیا جاتا ہے، خاندان کے افراد سے مشورے کی گنجائش رکھی جاتی ہے، اور آخر میں مجوزہ ٹیم لیڈر کے مشورے سے فرد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

ورک ٹیم کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے شرکاء میں افہام و تفہیم ہو، یکساں تجربہ ہو، ماضی میں ساتھ کام کرنے کا تجربہ ہو اور غیر ضروری حجاب نہ ہو۔

رسمی ٹیم:

اسے ہم ٹیم ٹاسک کا نام دیں گے۔ یہ عموماً قلیل متعین مدت کے لیے ہوتی ہے، اور کسی متعین مسئلے کے حل کے لیے یا کسی متعین منصوبے پر عمل درآمد کے لیے تشکیل دی جاتی ہے۔ اس ٹیم میں مختلف شعبوں، سے متعلقہ افراد کام کرتے ہیں۔ اس میں وہ فرد لیا جاتا ہے جس کی حصول مقصد کے لیے

ضرورت ہو۔اس میں ہر حلقہ اثر کی نمائندگی بھی ضروری ہے۔اس کی تعداد بھی دس سے تجاوز نہ کرے۔

1 بعض اوقات لوگ اپنے آپ کو پیش بھی کرتے ہیں۔تمام ممبران پر عزم ہوں۔اس ٹیم کی حیثیت محض مشاورتی نہ ہو بلکہ فیصلہ کرنے کے اختیارات بھی ہوں۔اس کے لیے مضبوط، موثر اور ہر دلعزیز لیڈر کی ضرورت ہوتی ہے۔

شرکاءِ ٹیم کی خصوصیات:

ٹیم ورک کی کامیابی کے لیے شرکاء میں مندرجہ ذیل خصوصیات مطلوب ہیں:

☆ عزم اور جذبہ:

ٹیم کے ہر ممبر میں عزم اور جذبہ کی ضرورت ہے۔شرکت کا شوق اور احساس ضروری ہے۔فائلیں لیے، چائے پیتے، پان کھاتے اور سگریٹ پیتے ہوئے، اور اونگھنے والے لوگوں کی ضرورت نہیں۔وہ لوگ مفید ہوتے ہیں جو کچھ کام کرنے کا شوق رکھتے ہوں اور ہوم ورک کر کے آتے ہوں، محض رسمی شرکت کے قائل نہ ہوں۔ایسے لوگوں کو، جو باصلاحیت ہوں مگر محنت اور شرکت کے قائل نہ ہوں، ٹیم میں شامل کرنا، اچھے اور کارآمد لوگوں کی کارکردگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

☆ باہمی رابطے اور افہام و تفہیم کی صلاحیت:

ٹیم کے افراد میں ایک دوسرے سے اس کی حیثیت اور مرتبے کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو اور رابطہ کی صلاحیت ضروری ہے۔ان افراد میں ایک دوسرے کو سننے سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت ہونی ضروری ہے۔جن افراد میں صلاحیت کی کمی ہو انہیں مناسب تربیت کے کورسز کے ذریعے آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

پس منظر کی اہلیت:

کسی مسئلے کو اس کے صحیح پس منظر میں دیکھنے کی صلاحیت ضروری ہے۔ہر چیز اور ہر معاملے میں صرف اپنے نقطۂ نظر اور مفاد کو دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اجتماعی مفاد پیش نظر رہنا چاہیے۔اس سلسلے میں اجتماعی مفاد کی خاطر انفرادی رائے اور مفاد کی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

## ٹیم کی کامیابی کی حکمت عملی:

ٹیم کو قائم کرنا، اسے چلانا اور اس سے مطلوبہ فوائد حاصل کرنا، ایک آرٹ ہے۔ اس سلسلے میں شریک میں یہ لچک ہونی چاہیے کہ وہ ٹیم ٹیکنک اور خصوصیات کو اپنانے کی کوشش کرے۔ ٹیم ورک میٹنگ میں ہوتا ہے، اس لیے اس کی کامیابی کے لیے میٹنگ کی کامیابی ناگزیر ہوتی ہے۔ کامیاب میٹنگ کے چند اصول وضوابط ہیں جو اختصار سے بیان کیے جا رہے ہیں۔

## میٹنگوں کی تعداد اور دورانیہ:

غیر رسمی ٹیموں کی میٹنگ روزانہ دس منٹ کے لیے بھی ہوسکتی ہے، اور ہفتے میں صرف نصف گھنٹے کے لیے بھی۔ بہر حال میٹنگ کی مدت اور معیار جو کچھ بھی ہو، باقاعدگی سے ہو، اس کا اپنا معمول ہو، وقت کی پابندی۔ اور مقدار طے ہو (یعنی مقررہ وقت سے زائد نہ ہو) اور اپنے کام کے علاقے میں ہو۔ پلانٹ اور اسمبلی لائن پر ہوسکتی ہے۔ سربراہ کے کمرے میں رکھی جا سکتی ہے۔ غیر رسمی ٹیم کے ذریعے متعلقہ شعبے کے افراد اپنی کارکردگی بڑھانے اور متعینہ اہداف کے حصول کے لیے کوشش کرتے ہیں۔

رسمی ٹیم، اہم مسائل کے حل کے لیے تشکیل دی جاتی ہے۔ یہ باقاعدگی سے وقفوں کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے اور ایک ہی نشست میں گفتگو کر کے فیصلے کر کے بھی مکمل کی جا سکتی ہے۔ اس ٹیم کے اجلاس ایسی جگہ ہونے چاہئیں جو کسی بھی شریک کا دفتر نہ ہو۔ بہتر تو یہ ہے کہ کسی کانفرنس روم میں یا آزاد ماحول میں ہو۔ لوگ اور ٹیلی فون مداخلت نہ کریں اور تیزی کے ساتھ کام نمٹ جائے۔

## کامیاب میٹنگوں کا طریق کار:

[۱] ایجنڈا ہر شریک کو پہلے سے پہنچا دیجئے۔ اس میں متعلقہ امور پر غور کے لیے اشارات درج ہوں۔

[۲] میٹنگ چلانے کے لیے اپنے اصول لوگوں کو ابتداء ہی میں بتا دیں۔

[۳] ہر فرد کی حاضری اور گفتگو میں شرکت ضروری ہے۔اس کا اہتمام کیجئے۔

[۴] ہر فرد کی رائے کا احترام کیجئے،اوراس کے احساس کو وزن دیجئے۔

[۵] مقصد اور اصل ایجنڈے کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے۔ واقعات، لطائف، یا شعرو شاعری کے ذریعے مجلس کو لوٹنے کی ضرورت نہیں۔ کام سے کام رکھو، پیش نظر رہے۔

[۶] اختلافی امور کو نظر انداز یا مستر د نہ کیجئے، بلکہ محسوس کیجئے اور ان کا تجزیہ کیجئے۔

[۷] میٹنگ میں ہر فرد اپنا نقطہ نظر ہی پیش کرنے نہ بیٹھ جائے بلکہ حقائق کا تجزیہ ضروری ہے۔

[۸] ہیر پھیر کے ذریعے گفتگو نہ کیجئے۔ یہ نہ ہو کہ لوگ کہیں صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں۔

[۹] اپنے دلائل، حقائق اور خیالات پر پیش کیجئے، شخصیات پر نہیں۔

[۱۰] شخصی حملوں سے پرہیز کیجئے۔عزت تو جانور کو بھی بہت پیاری ہوتی ہے، آپ خیال رکھیے۔

[۱۱] دوسروں کی گفتگو میں خواہ مخواہ کی مداخلت نہ کیجئے۔

[۱۲] میٹنگ کے دوران ذاتیات تعصب اور انا کی جنگ مت لائیے۔

[۱۳] جو گفتگو ہو رہی ہو اسے بڑے چارٹ کاغذ یا بورڈ پر تحریر کرتے رہنا چاہیے اور بعد میں اسے کاغذ پر منتقل کر کے شرکاء میں تقسیم کر دینا چاہیے۔

[۱۴] طے شدہ امور پر عمل درآمد کا جائزہ لیجئے۔

[۱۵] ہر ایک اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کرے اور اصلاح کے لیے تجاویز طلب کرے۔ دیکھیے ترقی کی راہیں کس قدر کھلتی ہیں۔

[۱۶] احساس اور گھٹن پیدا ہو تو اسے محسوس کیجئے۔

[۱۷] وقفوں کے ساتھ میٹنگ کی افادیت اور پیش رفت کا جائزہ لیجئے اور افراد کو تنقید کا موقع دیجئے۔

## دوران میٹنگ ٹیم لیڈر کا کردار:

ٹیم لیڈر مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھے۔

☆ اپنی رائے اور خیالات کو ٹھونسنے کی کوشش مت کیجئے۔ نہ اس کا تاثر دیجئے۔

☆ کسی کی غلطی کو پکڑنے کی، لقمہ دینے کی بار بار حوالہ دینے کی کوشش مت کیجئے۔

☆ کم گو شرکاء کو بولنے کا موقع دیجئے اور انہیں اس انداز سے گھیر کر آگے بڑھائیے کہ وہ ضرور شریک گفتگو ہوں۔

☆ اچھے اور بامقصد اور لطیف انداز میں گفتگو آگے بڑھاتے رہیں۔

☆ خیالات اور تجاویز کو دہرانے سے بچائیے۔

☆ کسی نقطہ نظر پر اجتماعی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ ضد اور ہٹ دھرمی سے بچے۔ ناک اور انا کا مسئلہ مت بنائیے۔ اپنے اختیارات کو کم از کم استعمال کرنے کی کوشش کیجئے تا کہ ہم آہنگی برقرار رہے۔

☆ ذاتی حملوں سے محفوظ رہے اور محفوظ رکھیے۔

☆ گروپ اور ٹیم کو ایکشن اور عمل کی جانب لے جائے۔

☆ میٹنگ کو موثر بنانے کے لیے رائے اور مشورے طلب کیجئے۔

☆ اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیجئے

☆ افراد سے ذاتی دلچسپی رکھیے۔ ان کے مسائل اور گھریلو معاملات سے دلچسپی لیجئے۔ انہیں ان کی ذات میں شرکت کا احساس ہونا چاہیے۔

## کامیاب ٹیموں کے تجربات سے اسباق:

ترقی یافتہ ممالک اور خاص کر جاپان میں ٹیم ورک کا رواج بہت زیادہ ہے، اور وہاں کے تجربات تحریری شکل میں موجود ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اس قسم کے تجربات ضرور ہوئے ہوں گے۔ مگر ریکارڈ پر معلومات بہت کم ہیں۔

## ٹیم اسپرٹ پیدا کرنے کے لیے ضروری عوامل:

☆ اتحاد کا احساس: ٹیم سپرٹ کے لیے اس احساس کی ضرورت ہے وہ ہے "ہم"۔ یہاں ہم کا احساس ضروری ہے۔ یہاں ایک دوسرے کی کمزوریوں کو رفع کرنے اور ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے سیکھنے کے ماحول کی ضرورت ہے۔ ٹیم کے تشخص اور علامات کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے سے متعارف ہونے اور مسائل کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کھلے اور آزاد ماحول میں گفتگو اور خیالات کے اظہار کا صرف احساس اور تاثر نہ ہو بلکہ یہ ایک حقیقت ہو۔

☆ احساس ذمہ داری: یہ احساس کامیاب لوگوں کی خصوصیات میں شامل ہے۔ اپنے کام کی فکر اور اس کے احساس کے باعث لوگ راتوں کو اپنے ادارے کے لوگوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور احساس دلاتے ہیں کہ وہ بھی ان کے ساتھ جاگ رہے ہیں۔

یہ احساس قیادت کے تاثر، معلومات کی فراہمی، مستقبل کے شاندار ہونے کے احساس اور عمومی جائزے کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔

☆ اعتماد اور حسن ظن:

اعتماد کی فضا، ایک دوسرے کے بارے میں اچھی رائے اور بھروسہ ایسی خصوصیات ہیں جس کے ذریعے ٹیم مربوط رہتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔ بعض اداروں میں ٹیم اسپرٹ کی وہ فضا پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو حاضری کے رجسٹر پر آمد ورفت کے اوقات لکھنے اور ٹائم کارڈ پنچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

☆ احساس ملکیت:

افراد میں اس بات کا احساس پیدا ہو جائے کہ وہ جو کام کر رہے ہیں یہ ان کا اپنا کام ہے تو پھر غلطیاں کم ہوتی ہیں اور ذمہ داری کا احساس بڑھتا رہتا ہے۔ اگر لوگوں کو یہ احساس ہو کہ ان کا کام آگے والا بھی چیک کرے گا تو پھر وہ ذمہ داری کو ٹالنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ وہ انہی کا کام ہے، وہی ذمہ دار ہیں، تو پھر غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ نتیجہ

یہ ہوگا کہ غیر حاضری کا رجحان کم ہوتا جائے گا۔ اسی احساس کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ٹیم کے افراد کو کام کے نتائج اور کاروبار کے نفع ونقصان کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔ ٹیم کے افراد کو اپنی کارکردگی دیکھنے کا موقع دیا جائے۔ ٹیم کے افراد کے خطرے سے بچانے کی خاطر مدد کے لیے آگے مت بڑھیے بلکہ انہیں حالات سے خود نمٹنے دیجیے۔ ممکن ہے کسی تخلیقی عمل کے ذریعے سیکھنے کا موقع ملے۔ ٹیم کو اپنا اندرونی ریکارڈ رکھنے کا موقع دیجیے مگر غیر ضروری معلومات طلب مت کیجیے۔ ٹیم کو وہ حدود بتا دی جائیں جہاں وہ خود مختار ہیں۔

☆ پہل پیش قدمی:

ٹیم کے افراد میں ہر قسم کے بحران سے نمٹنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھتے۔

☆ رابطہ وافہام وتفہیم:

ٹیم کے افراد آپس میں بھی معلومات کا تبادلہ کریں۔ حقائق کو جاننے کی کوشش کریں۔ زیریں افراد سے بھی معلومات ملیں اور اعلیٰ منصب کی جانب سے بھی اطلاعات ملیں اور پھر وہ ٹیم اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے۔

☆ قدر افزائی:

قدر افزائی کے چند الفاظ اور ان کی خدمات کے صلے میں علامتی انعام اپنی جگہ اہمیت اور قدر رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ کام کیا جا سکتا ہے۔

☆ ادارے کی جانب سے ٹیم کے افراد اور ان کے اہل خانہ کو ادارے کے اخراجات پر تحائف دینا، کھانے کی دعوت کرنا، ہر ہفتے کی ٹیم یا ہر ماہ کی ٹیم کا باقاعدہ اعلان کرنا، ٹیم کے نام سے ادارے کے نفع میں سے خیرات کرنا یا کسی اسکول لائبریری یا ادارے میں اس ٹیم کے نام کی اسٹامپ کے ساتھ کتب دینا۔

☆ موافقت، ہم آہنگی:

اگر مقصد کے بارے میں ذہن صاف ہوں تو یہ موافقت کی بنیاد ہے۔اس سلسلے میں تجاویز پر ووٹ لینے کی ضرورت نہیں ہے اور میٹنگ میں مشترکہ مقصد تک پہنچنے ہی کے لیے گفتگو ضروری ہے۔

☆ تکمیل:

ٹیم کے کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا بہت ضروری ہے۔ادھورے کاموں سے مایوسی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔اس سلسلے میں باقاعدگی سے جائزہ لیتے رہیں اور ٹیم کو بتاتے رہیں کہ وہ مجموعی مقاصد سے کس قدر قریب ہو گئے ہیں، اور اس میں وہ خود کس حد تک شامل رہے ہیں۔

کامیاب اور موثر ٹیم لیڈر کی خصوصیات:

☆ پہلی خوبی ''ہم'' اور ''ہمارا'' کا تصور ہے۔وہاں منیجمنٹ اور مزدور الگ الگ چیزیں نہیں ہوتیں۔ ہمیشہ ''ہم'' کے ساتھ بات کی جاتی ہے اور ''ہمارے'' لیے ہی کام ہوتا ہے۔

☆ ممبران کی مدد کیجئے، راہ نمائی کیجئے مگر خطرے کی صورت میں انہیں پکڑنے کی کوشش مت کیجئے، انہیں سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع دیجئے۔اس سے ان میں اعتماد پیدا ہوگا۔

☆ ٹیم کے ممبران پر توجہ دیجئے۔ان کے خاندان اور متعلقین کے متعلق معلومات رکھیے۔ان کے مشاغل کا علم رکھیے۔ان کے کام، رات اور کیریر کے مسائل معلوم کرتے رہے۔

☆ ان ممبروں سے ضرور رابطہ رکھیے جو میٹنگ میں خاموش رہتے ہیں۔شکریہ کے الفاظ ضرور ادا کیجئے۔

☆ امتیازی تشخص کی علامات کو ختم کیجئے۔افسران کے لیے کھانے کی الگ کمرے، الگ پارکنگ، یہ تشخص کی علامات ہیں، مگر جہاں ٹیم ورک کی ضرور ہو وہاں یہ چیزیں منفی اثرات پیدا کرتی ہیں۔ایک انتہائی کامیاب ادارے کے سربراہ کی خصوصیت یہ رہی کہ وہ کھانا اپنے مزدوروں کے ساتھ کھاتے تھے۔حالانکہ یہ کمپنی پاکستان کی ان چند کمپنیوں میں سے ہے جہاں پہلے ہی سال میں شاندار نفع سے

آغاز ہوا۔

☆ اس بات کو یقینی بنایئے کہ ٹیم کی میٹنگ خوشگوار ماحول میں ہو۔

☆ ٹیم لیڈر کو اپنی تربیت اور ترقی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

☆ موثر اور کامیاب لیڈر اپنے مشن سے دلچسپی رکھتا ہے۔

☆ وہ جہد مسلسل کا قائل ہوتا ہےاور کرشموں کا انتظار نہیں کرتا۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ محنت ہی اس کی جاگیر ہےاور اسے اللہ پر بھروسا ہوتا ہے کہ اس کی محنت ضرور پھل لائے گی۔

☆ اسے اپنی غلطیوں کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہوتا، اس سے اس کی عزت نہیں گھٹتی۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

☆ کامیاب ٹیم لیڈر ایک اچھا استاد بھی ہوتا ہے۔ لوگوں کو آگے بڑھنے کا موقع دیتا ہے۔ اپنے سے زیادہ باصلاحیت افراد کو اپنے سے آگے بڑھنے کا نہ صرف موقع دیتا ہے بلکہ راہ نمائی بھی کرتا ہے۔

☆ ٹیم کا اعتماد حاصل کرتا ہے۔

ان تمام خصوصیات کے ساتھ اسے ٹیم کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

# اسلامی تحریک اور اجتماعی تبدیلی کے لیے حکمت عملی

[ڈاکٹر انیس احمد    از عالمی ترجمان]

اسلامی تحریکات کو دعوت دین و اقامت دین اور تبدیلی نظام کی جدوجہد میں عموماً پانچ بنیادی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

ذاتی اصلاح اور تزکیہ:

اولین مرحلہ مقصدِ حیات کے شعور و آگہی کے نتیجے میں اپنی فکر، عقیدہ اور ذاتی زندگی میں اصلاح اور تزکیہ کا عمل ہے۔ اس مرحلے میں ایک فرد جو کل تک روایتی مذہبی ماحول میں پل بڑھ کر زندگی کو دو خانوں میں تقسیم سمجھتا تھا کہ ایک خانہ عبادت اور تقویٰ کا ہے جس میں نمازوں کا اہتمام، روزے کی پابندی، عمرے اور حج کی سعادت اور کمائی ہوئی دولت اور کاروبار یا کاشت کاری میں سے ایک حصہ بطور زکوٰۃ کے ادا کر دینا۔

یہ تمام کام اگر جزوی طور پر بھی کر لیے گئے تو ایک شخص کی شہرت دین دار فرد کی بن جاتی ہے اور وہ خود بھی مطمئن رہتا ہے کہ اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ اگر اس نے والدین کی خدمت سال میں ایک مرتبہ اپنے کاروباری مرکز سے جا کر ان کو شکل دکھا کر کر دی یا انہیں کوئی رقم بھیج دی تو وہ سمجھتا ہے کہ اس نے تمام فرائض پورے کر دیے۔

دوسرا خانہ اس کی کاروباری اور پیشہ ورانہ زندگی کا ہوتا ہے جس میں وہ بطور تاجر، بطور طبیب، بطور استاد، بطور سرکاری ملازم مقررہ وقت پر حصول نفع کے لیے کام کرتا ہے اور جس شعبے سے تعلق ہو اس کے رواج کو بنیاد بنا کر شہرت حاصل کرتا ہے، چنانچہ اگر وہ کاروباری ہے تو

کاروباری برادری میں مروجہ طریقوں کی پیروی کرتا ہے، چاہے ان میں اسے جھوٹ بولنا پڑے اور اپنے مال کو فروخت کرنے کے لیے دوسروں کے حقوق کو پامال کرنا پڑے۔ وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نفع کے حصول کی دوڑ میں شامل ہوکر دوسروں سے آگے بڑھنا اور اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ سرکاری ملازم ہے تو اپنی تمام نمازوں اور روزوں کے ساتھ وہ اپنے سے اعلیٰ افسر اور اقتدار پر قابض افراد کو اپنا مالک اور رب مانتے ہوئے ہر لمحہ ان کی خوش نودی اور بندگی کے ذریعے اپنا مقام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہوا کے رُخ کو دیکھ کر چلتا ہے اور حکمران جماعت کے ہر حکم کو اپنی ذہانت کے استعمال سے نافذ کرنے میں سرگرم رہتا ہے۔

زندگی کے یہ دو خانے نہ صرف عام کاروباری انسان یا پیشہ ور افراد ہی نہیں، بلکہ ان میں سے بھی کچھ جو دین کے خدمت گار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی زندگی کو عملاً ان دو خانوں میں تقسیم کرنے کو عین دین کے مطابق سمجھتے ہیں اور اس طرح شعوری یا غیر شعوری طور پر دین و دنیا کے الگ الگ اصولوں پر عمل پیرا رہنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ منبر و محراب سے جس اعلائے کلمۃ الحق پر خطاب ہوتا ہے یا معاشرتی حقوق پر دل گداز اظہارِ خیال کیا جاتا ہے اپنے گھر اور اپنی برادری میں شادی بیاہ کے موقع پر ان تمام اصولوں اور خطابات کے برخلاف وہ تمام رسوم ادا کی جاتی ہیں جن کی بنیاد ہندومت، قبائلیت اور جاہلی برادری کے نظام میں پائی جاتی اور جو دین اسلام کی واضح تعلیمات سے ٹکراتی ہیں۔ ایسے تمام مواقع پر کہا جاتا ہے کہ آخر برادری میں رہنا ہے، اگر یہ سب کچھ نہ کیا گیا تو برادری والے کیا کہیں گے۔ زندگی میں یہ تقسیم آج کے دور کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ تقسیم جب سے انسان نے شعور کی آنکھ کھولی ہے، پائی جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے کہا تھا کہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد ۹۰:۱۰) ''ہم نے دونوں راستے دکھا دیے''۔ حق و باطل کی نشان دہی اور اچھائی اور بُرائی کے راستوں کا علم ہونے کے باوجود، روایتی مذہبیت زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتی بلکہ فخر سے اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ دین و دنیا دونوں میں توازن رکھنا ہی اسلام ہے۔ چنانچہ زندگی میں تقسیم کے ذریعے بیک وقت دو خداؤں کی بندگی کرنے کے فن کو کامیاب زندگی قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم دوسری جانب یہ واضح ہدایت دیتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی بندگی کرتے ہوئے انسان پورے کا پورا اسلام میں داخل ہو جائے۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ ۲:۲۰۸)،''اے ایمان لانے والو، تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو''۔

تحریکاتِ اسلامی قرآن کریم کے اس مطالبے کو اپنی دعوت کا اوّلین نکتہ قرار دیتی ہیں اور جب بھی ایک شخص کا تحریکی شعور جاگتا ہے وہ زندگی میں اس تقسیم سے نجات حاصل کر کے اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں، اپنے کاروبار اور اپنے تمام 'دنیاوی' معاملات میں صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا بندہ بن کر اپنے تمام معاملات کو صرف اس کی رضا کا تابع فرمان کر دینے میں لگ جاتا ہے۔

تحریکِ اسلامی کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں ایک بڑی تعداد ان افراد کی بھی پائی جاتی ہے جو پہلے جاہلیت کی زندگی گزارتے تھے اور نجی زندگی میں بھی اسلام کے احکام اور تعلیمات کی پاسداری نہیں کرتے تھے لیکن جب اللہ نے انھیں ہدایت دی تو بتدریج انھوں نے اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی کے تضادات دُور کرنے کی بھرپور کوشش کی اور وہ اس دعوت کے نتیجے میں ایک نومسلم کے جذبے کے ساتھ اپنی زندگی کو مکمل طور پر عبدیت میں تبدیل کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

### اہلِ خانہ پر توجہ

دوسرا مرحلہ ان کا اپنی ذات سے آگے بڑھ کر اپنے اہلِ خانہ کو اس نئے شعورِ حیات سے واقف کرانا اور اپنی عملی زندگی کے نمونے کے ذریعے بندگیِ رب کی دعوت دینا ہے۔ تحریکِ اسلامی کا ہر کارکن اور ہر ہم خیال فرد اللہ تعالیٰ کے سامنے اس بات پر جواب دہ ہے کہ جو ہدایت اُس تک پہنچی ہے اس نے اسے اپنے اہلِ خانہ تک پہنچایا یا نہیں اور اپنے عمل سے کس حد تک اس دعوت کی عملی مثال پیش کی۔ اگر وہ بڑے بڑے اجتماعات میں تزکیۂ نفس پر تقاریر کرتا ہے اور گھر میں اس کا طرزِ عمل ایک جابر اور نفس پرست انسان کا ہے اور وہ صرف اپنے آرام، اپنی سہولت، اپنی ذات کو اہمیت دیتا ہے تو اس نے خود ابھی تک دعوت کا صحیح شعور حاصل نہیں کیا۔ یہ مرحلہ آسان نہیں ہے، نہ مختصر ہے بلکہ مسلسل شعوری جدوجہد کا مطالبہ کرتا ہے اور عین ممکن ہے مسلسل کوشش کے باوجود بھی ایک کارکن اپنے اہلِ خانہ کو مکمل طور پر تحریکی شعور نہ دے سکے۔ قرآن کریم بعض انبیاے کرامؑ کے واقعات بیان کر کے سمجھاتا ہے کہ یہ امکان بھی ہو سکتا ہے کہ بہترین کوشش کے باوجود ایک بیوی یا ایک بیٹا یا ایک بیٹی سربراہِ خاندان کی طرح دعوت کو اختیار نہ کرے۔ ایسی شکل میں قرآن ناامیدی کی تعلیم

نہیں دیتا بلکہ آخر وقت تک کوشش کرتے رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اہم بات جو اس مرحلے میں ہر کارکن کے لیے قابلِ غور ہے وہ اس کی کامیابی سے بھی کہیں زیادہ اہم اس کی وہ پُرخلوص کوشش ہے جو اسے اس دنیا اور آخرت دونوں جگہ بہترین اجر کا مستحق بناتی ہے، یعنی رضائے الٰہی کا حصول۔

## قرب و جوار میں شعور کی بیداری

تیسرا مرحلہ اپنے خاندان سے آگے نکل کر اہلِ محلّہ اور اردگرد کے معاشرے کو دینی شعور سے آگاہ کرنے کا ہے اور اس میں سب سے زیادہ بنیادی کردار مسجد اور معاشرتی فلاح کے کاموں کا ہے۔ اگر ایک کارکن مسجد میں نظر نہیں آتا اور ہر عوامی مظاہرے میں سب سے آگے دکھائی دیتا ہے تو یہ اس دعوتی مرحلے کی کمزوری کی علامت ہوگی اور ایک عام فرد اسے سیاسی کارکن تو سمجھے گا دین کا کارکن نہیں سمجھے گا۔ مسجد میں چند لمحات کے لیے قرآن کی تلاوت اور اگر ممکن ہو تو ایک ایسے حلقے کا قیام جو صرف قرآن کریم پر غور کرنے کے لیے قائم ہو، اس مرحلے کی بنیادی ضرورت ہے۔ ان تمام مشکلات کے علی الرغم جو مساجد کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں اگر حکمت سے کام کیا جائے تو قرآنی حلقے کا قیام ممکن ہے۔ آخر بعض تبلیغی جماعتوں کے افراد ہر مسجد میں کھڑے ہو کر مقررہ جملوں میں اپنی بات کہتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک فرد یہ بات نہ کہہ سکے کہ نماز کے بعد پندرہ منٹ کے لیے قرآنی حلقہ ہوگا اس میں شرکت کی درخواست ہے۔

اگر یہ کام خلوصِ نیت سے ذاتی اَنا کو رد کرتے ہوئے کیا جائے گا تو ان مساجد میں بھی جہاں تحریک کے ساتھ فکری ہم آہنگی موجود نہ ہو وہاں بھی ان شاء اللہ کامیابی ہوگی۔ یہاں بھی یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اگر ایک کارکن جو اہلِ محلّہ سے نہ ملتا ہے نہ ان کے غم اور خوشی میں شرکت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ مسجد میں اس کے اعلان پر لوگ درس میں شرکت کر لیں تو وہ خام خیالی میں مبتلا ہے۔ ایک کارکن کا طرزِ عمل ہی اسے عوام الناس میں تحریک کی دعوت سے روشناس کرانے کا اصل ذریعہ ہوتا ہے۔

## دعوت کے مختلف مواقع کا استعمال

چوتھا مرحلہ اہلِ محلّہ سے آگے بڑھ کر اپنے گاؤں اور اپنے شہر میں ان مواقع کا استعمال کرنا

ہے جو تحریکی دعوت کو عام کرنے کا ذریعہ بن سکیں۔ یہ ماہانہ فکری حلقہ بھی ہوسکتا ہے ادبی حلقہ بھی، اور معاشرتی فلاح کے کاموں کا ایک سلسلہ بھی۔ یہ بیٹھک اسکول بھی ہوسکتا ہے۔ یہ خواتین کے لیے طبی مشورہ اور امداد کا مرکز بھی ہوسکتا ہے۔ یہ سلائی سکھانے کا ادارہ بھی ہوسکتا ہے اور یہ محلے کے بچوں یا بچیوں کو مختلف درجوں میں کوچنگ فراہم کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ فلاحی کام وہ سنت ہیں جنھیں اگر خلوصِ نیت کے ساتھ کیا جائے تو دعوت کے پھیلنے کو کوئی نہیں روک سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بوڑھی خاتون کی عیادت کرنا اور حضرت ابوبکرؓ کا خلافت کے بعد بھی ایک بوڑھی خاتون کی بکریوں کا دودھ دوہنا خدمتِ خلق کی وہ واضح مثالیں ہیں جن پر عمل کرنا سنت پر عمل کرنا ہے۔

شہروں اور گاؤں میں طبی مراکز، تعلیمی مدارس، یتامیٰ اور ناداروں کے لیے تربیتی و تعلیمی اداروں کا قیام، خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد یہ وہ اہم کام ہیں جو دعوت کے لازمی مراحل میں شامل ہیں۔ اگر تحریکی کارکن یا قائدین ایسے تعلیمی مراکز تو قائم کردیں جن میں سرکاری نظامِ تعلیم کے نصاب کے مطابق سیکڑوں اور ہزاروں بچوں کو تعلیم دی جارہی ہو لیکن ان طلبہ و طالبات کے ساتھ اساتذہ کا طرزِ عمل کاروباری ہو، اور رضائے الٰہی کے حصول کی جگہ محض تنخواہ کا حصول مقصد بن گیا ہو تو پھر بظاہر تعلیمی شعبے میں کام پھیلنے کے باوجود اس کی دعوتی افادیت صفر بلکہ منفی صفر رہے گی۔ اس حوالے سے اعلیٰ ترین سطح پر اور انتظامی سطح پر یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد کی زیرِ نگرانی اسکولوں کا ایک سلسلہ (chain) موجود ہے جس میں ایک ایک اسکول سسٹم نے تین تین سو اسکول قائم کر رکھے ہیں تو کیا ان اسکولوں کے طلبہ و طالبات اور ان کے والدین تک دعوت مؤثر طور پر پہنچائی گئی یا نہیں؟ اگر اس بڑے دعوتی بنک کو ضائع ہونے دیا گیا اور محض ہر اسکول میں طلبہ کی تعداد بڑھانے کو مقصد بنا لیا گیا تو پھر یہ دعوت سے صریح انحراف ہے۔

طلبہ کے والدین تک پیغام پہنچانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اسکول کے سالانہ پروگرام میں دین اسلام پر کوئی جوشیلی تقریر ہوجائے بلکہ اسکول کی نصابی سرگرمی کے علاوہ ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ و طالبات میں دین کا شعور، بنیادی تصورات کی وضاحت اور ان کے ذریعے ان کے والدین سے قریبی رابطہ تاکہ ان کے سامنے ایک ایسا عملی ماڈل آسکے جس میں تعلیم میں اعلیٰ مہارت کے حصول کے ساتھ وہ اپنے بچے میں سیرت و کردار کی تبدیلی دیکھ سکیں اور خود ان کو والدین اساتذہ اجتماعات

کے ذریعے دعوت کا شعور دینا، انھیں مختلف مواقع پر دعوت دے کر تبادلۂ خیال کے ذریعے تحریک سے قریب لانا۔ اگر صرف تحریکِ اسلامی کے افراد کے قائم کردہ اسکولوں میں بچوں اور ان کے والدین تک دین کا صحیح تصور دیا جائے اور عملاً اسلامی اخلاق پر عمل کیا جائے تو نتائج کے لحاظ سے یہ کسی عظیم الشان جلسے یا دھرنے سے کم مؤثر نہیں ہوسکتا۔ اگر صرف اسکولوں کے سلسلے کو صحیح طور پر استعمال کرلیا جائے تو ہزاروں لاکھوں گھروں تک اللہ کے دین کا پیغام پہنچ سکتا ہے اور یہ لوگ آخرکار اپنے سیاسی تصورات پر غور کرنے پر آمادہ ہوں گے اور 'دعوتی ووٹ' سیاسی ووٹ میں تبدیل ہوسکے گا۔

**مؤثر دعوت اور افراد کی تنظیم سازی**

پانچواں مرحلہ قومی سطح پر اپنی دعوت کو مؤثر انداز میں ملک کے مختلف طبقات تک پہنچانے اور ملکی سطح پر ان افراد کو ایک تنظیم میں شامل کرنے کا ہے جو دعوت سے اتفاق رکھتے ہوں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس میں خود تحریکی ذہن رکھنے والے افراد خلوصِ نیت کے ساتھ ایک سے زائد طریق کار اور حکمت عملی کے ممکن ہونے کی بنا پر بعض اوقات مغالطے کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اس پانچویں مرحلے کے اوّلین حصے پر، یعنی اقامت دین کی دعوت کو کس طرح اس کے مخاطبین تک پہنچایا جائے؟ ایک سے زائد طریق کار کا وجود بارہا یہ سوال ذہن میں اُٹھاتا ہے کہ کیا جو طریق کار دعوت کے لیے اختیار کیا گیا ہے یہی سب سے زیادہ مناسب اور سنت انبیا کی روح اور مثال سے قریب ہے یا اس کے علاوہ دیگر طریقہ ہائے کار بھی حصولِ مقصد کے لیے اختیار کیے جاسکتے ہیں؟

بعض حضرات کے نزدیک اگر صرف عبادات کے صحیح طریقے کی اصلاح کرلی جائے تو دین کی اقامت ہوجاتی ہے چنانچہ وہ عبادات کی ظاہری شکل پر اپنی توجہ مرکوز رکھنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ کچھ حضرات زندگی کے اسلامی ہونے کے لیے قلب کو مرکز قرار دیتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ قلب کی اصلاح ہر شے پر مقدم ہے اور اس غرض سے اذکار اور اوراد کا اہتمام ساری توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ بلاشبہہ مسنون اذکار و اوراد تزکیۂ نفس کا اہم ذریعہ ہیں لیکن اگر باقی اُمور کو نظرانداز کر کے صرف اذکار کو دین سمجھ لیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاروبارِ حیات کے بہت سے اہم معاملات کو تزکیۂ قلب کی روح کے منافی سمجھتے ہوئے ترک کردیا جائے گا اور دین و دنیا کی تقسیم کو مزید مستحکم کردیا جائے گا اور اللہ والے افراد خانقاہوں اور زاویوں میں گوشہ نشین ہونے اور

دنیاوی معاملات کو خیر باد کہنے میں اپنی عافیت سمجھیں گے۔ یہ طرز فکر روحانیت میں اضافے کو بنیادی اہمیت دیتا ہے تاکہ قلب کی دنیا میں تبدیلی آجائے اور قلب اللہ تعالیٰ کے نور سے بھر جائے تو پھر نظامِ کفر ہو یا استحصالی معاشرہ ہر ایک فرد خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔

ایک طرف یہ رویہ ہے تو دوسری طرف منہج نبویؐ کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے اور قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہوئے انبیائے کرامؑ کے طریق کار کے تجزیے کے نتیجے میں ایک نقطۂ نظر یہ سامنے آتا ہے کہ اقامت دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے حضرت سلیمانؑ سلطنت اور حکومت کو قائم فرماتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالیٰ خلافت کے منصب پر خود فائز فرماتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں مقامِ قیادت اور تھوڑے عرصے میں فاتحِ مکہ کی حیثیت سے حضرت ابراہیمؑ کے شہر میں داخل فرماتے ہیں۔ آپؐ مدینہ منورہ میں بین الاقوامی معاہدے کرتے ہیں۔ مختلف ممالک کے فرماں رواؤں کو مدینہ منورہ میں قائم شدہ اسلامی ریاست کے امیر اور اللہ کے نبی کی حیثیت سے دعوتی خطوط تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی مقرر کردہ تعلیمات کو خاندانی معاملات میں، معیشت میں اور تعزیراتی معاملات میں حکومتی اختیارات کے ذریعے نافذ فرماتے ہیں۔ گویا عملاً کر کے دکھاتے ہیں کہ تزکیہ محض قلب کا نہیں بلکہ معیشت و سیاست کا تزکیہ بھی یکساں طور پر بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

اس نقطۂ نظر کی روشنی میں جو طریق کار اور حکمت عملی تحریکاتِ اسلامی اختیار کرتی ہیں وہ انبیائے کرامؑ کے طریق دعوت سے براہ راست ماخوذ اور اسی پر مبنی ہوتی ہے۔

### سیاسی سطح پر تعاون اور عدم تعاون

پانچویں مرحلے کے اس اوّلین پہلو کے ساتھ ہی جو دوسرا اہم پہلو ہمارے سامنے آتا ہے، اس کا تعلق دعوت سے متاثر افراد کی تنظیم، ان میں دعوت کی تطبیق اور جو لوگ دعوت سے اتفاق نہ کرتے ہوں ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کا ہے۔ تحریکِ اسلامی کا تنظیمی ڈھانچا کیا ہو؟ کیا یہ ضروری ہے کہ تحریک ہر کام خود کرے یا وہ بعض مقاصد کے حصول کے لیے تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے اپنی عمومی رہنمائی اور تائید کے ساتھ تحریک کے ہم خیال افراد کو معاشی خدمت خلق یا سیاسی معاملات میں بڑی حد تک خودمختاری کے ساتھ کام کا موقع دینی حکمت عملی کے ایک

حصے کے طور پر اختیار کرے؟

اسی طرح اس مرحلے میں یہ امر بھی غور طلب ہوگا کہ کیا تحریک ہمیشہ سیاسی محاذ پر اپنی دعوت اور اصولوں کی بنا پر تنہا سیاسی محاذ پر کام کرے یا وقتی طور پر دیگر سیاسی جماعتوں سے متعین وقت کے لیے تعاون کو حسبِ ضرورت اختیار کرے؟ ایک زاویہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دیگر سیاسی جماعتوں سے کسی قیمت پر اتحاد یا اشتراک نہ کیا جائے اور مکمل طور پر اپنے افرادی اور مادی وسائل پر بھروسا کیا جائے، چاہے تحریک کو حصولِ مقصد میں سو دو سو سال لگ جائیں۔ وہ ہر کام اپنے نظریاتی اصولوں کے مطابق کرے اور کسی کے ساتھ مخصوص اہداف کے لیے بھی تعاون و اشتراک پر غور نہ کرے۔

دوسروں سے عدم تعاون کے نقطۂ نظر کے لیے فکری بنیاد عموماً قرآن و سنت کے بعض جزوی احکام سے اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اسلام اور جاہلیت، اسلام اور طاغوت، اسلام اور کفر کا مقابلہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ جو جماعتیں اپنے اہداف اور دعوت کے لحاظ سے قرآن و سنت کی تعلیمات سے انحراف کرتی ہوں وہ جاہلی جماعتیں ہیں اور ان کے ساتھ کسی معاملے میں تعاون کرنا اسلام کے منافی ہے۔

اقامت دین اور قیامِ نظامِ اسلامی کی جدوجہد کے اس پانچویں مرحلے میں جو ملک گیر بنیاد پر دعوتِ دین کو حکمت کے ساتھ عوام الناس تک پہنچانے اور انھیں منظم کرنے کا ہے، دعوتی اور سیاسی تنظیم بندی بالعموم یک جان ہوجاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مکہ سے مدینہ منورہ آنے کے بعد اسلام کے عالم گیر دعوتی اصول بالخصوص دعوتِ توحید، معیشت اور سیاست کے شعبے میں انقلاب لانے کا سبب بنی۔ اس مرحلے میں تحریک اسلامی کے لیے قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ جس طرح اس کی دعوت کا منطقی اور قرآن و سنت پر مبنی ہونا عوام کو مطمئن کرتا ہے کہ یہ دعوتِ حق ہے، کیا وہی افراد جو اس کی دینی دعوت کو پسند کرتے ہیں تحریک کی سیاسی حمایت اور اُس کے حق میں اپنے ووٹ کا استعمال کرنا پسند کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تحریکی کارکنوں کے خلوص اور قربانی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی دعوت کو تو پسند کیا جا رہا ہو لیکن سیاسی فیصلے میں وفاداری، برادری، موروثی سیاست دانوں یا جذباتی نعرے بلند کرنے والوں کے ساتھ ہو اور اگر بالفرض ایسا ہے تو تحریک کی دعوت کی حکمت عملی اس پہلو کو حل کرنے کے لیے اور ان افراد کو جیتنے کے لیے جو دعوت کو تو پسند

کرتے ہیں لیکن ووٹ ڈالتے وقت جذبات یا پرانی وابستگی سے متاثر ہو جاتے ہیں، کیا مؤثر
اقدامات کرتی ہے؟ اس مرحلے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اگر
بعض ایسے سیاسی طبقات کے ساتھ وقتی اور جزوی تعاون کرنا پڑ رہا ہے جو چاہے اپنی ذات میں 1
اسلام کے اعلیٰ اصولوں پر عامل نہ ہوں لیکن اس تعاون کے نتیجے میں ملک میں اسلامی معاشرہ اور
نظامِ عدل قائم کرنے کے امکانات پیدا ہو رہے ہوں تو تحریک کا ان کے ساتھ تعاون کرنا وسیع تر
حکمتِ عملی کا ایک جزو سمجھا جائے گا نہ کہ مداہنت کی کوئی شکل! بات بہت واضح ہے، ایسے حالات
میں سیاست شرعیہ کا تقاضا ہے کہ ایسے جزوی تعاون کو اختیار کر کے بڑے مقصد کے حصول کے
راستے کو ہموار کیا جائے۔ ایسا تعاون کفر اور طاغوت کے ساتھ تعاون قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عصرِ حاضر کے تحریکِ اسلامی کے نام ور مفکرین نے اسلام اور جاہلیت کے حوالے سے جو تصور پیش کیا ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ایک جانب وہ طاغوتی نظام کے خلاف فکری، دستوری اور عملی جہاد کا تصور پیش کرتے ہیں اور دوسری جانب طاغوتی نظام کے زنجیری حلقے کو توڑنے کے لیے نقطۂ آغاز کے حوالے سے یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ اگر اصولی طور پر ایک ریاست اپنے آپ کو غیر اسلامی ریاست قرار دیتی ہو، مثلاً خود کو سیکولر کہے تو اس کے ساتھ سیاسی معاملات میں شراکت نہ کرنا افضل ہوگا، جب کہ ایک ریاست اصولی طور پر خود کو اسلامی ریاست اپنے دستور کی دفعات کے ذریعے قرار دے لیکن نظامِ حکومت ابھی مکمل طور پر اسلامی نہ ہو تو اس کے معاملات کی اصلاح کے لیے دستور کی روشنی میں معاملات میں شراکت نہ کرنا دین کی حکمت کے منافی ہوگا۔ ایسے حالات میں اُمتِ مسلمہ کی فلاح اور حقوق کے حصول کے لیے آواز بلند کرنا، سیاسی جدوجہد کرنا اور اس جدوجہد میں دیگر جماعتوں کے ساتھ اس مقصد کے حصول کے لیے تعاون کرنا دین کی حکمت کے مطابق ہوگا۔ اس کی مثال ایک نومسلم کی حیثیت سے بھی سمجھی جا سکتی ہے، جس کا صرف اقرارِ ایمان اسے مسلمان بنا دیتا ہے۔ گو ابھی اسلامی شعور اور کردار کا حصول ایک وقت لے گا، بلکہ مدتِ عمر کا متقاضی ہوگا۔

آیندہ کی حکمت عملی

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ سیاسی حکمت عملی کو ہر حالت میں دعوتی حکمت کا تابع ہونا چاہیے اور اصل مقصد اللہ کی رضا کا حصول رہنا چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے جو حکمت عملی وضع کی جائے اسے بھی وقتاً فوقتاً تنقیدی نگاہ سے دیکھنے کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلے میں چند بنیادی نکات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

● **صحیح دعوتی زبان کا استعمال:** قرآن کریم موعظہ حسنہ کے استعمال کا حکم دیتے وقت ابلاغ کا بنیادی اصول سمجھاتا ہے کہ جس قوم یا طبقہ یا گروہ انسانیت کو دعوت کے لیے پکارا جائے اُس سے اس کی 'زبان' میں بات کی جائے (یوسف ۱۲:۲)۔ یہاں زبان سے مراد صرف لغت نہیں وہ الفاظ وتراکیب اور پورا بیان ہے جو مخاطب کو قریب لائے۔ اسلامی جماعتیں عموماً جن دعوتی یا دستوری اصطلاحات کو روزمرہ استعمال کرتی ہیں انھی کو عوام کو خطاب کرتے وقت بھی استعمال کرتی ہیں، جب کہ دعوت کی زبان ہر طبقہ، ہر گروہ اور جماعت کے لحاظ سے وہ ہونی چاہیے جسے وہ appricate کرے۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جو دعوتی زبان استعمال کی گئی کیا وہ عوامی نفسیات سے مطابقت رکھتی تھی یا جن اُمور پر ہمیں زور دینا چاہیے تھا کیا کسی اور نے ان عنوانات کو اغوا کر کے عوام کے دل میں اُترنے کا ذریعہ بنایا۔ کیا تحریکِ اسلامی نے ظلم، بدعنوانی، عدم مساوات اور عدم تحفظ، دہشت گردی، معاشی استحصال، بے روزگاری اور صحت سے متعلقہ اُمور کو ایسی زبان میں جو عوام کو متاثر کرے سیاسی مہم میں تذکرہ کیا؟ کیا تبدیلی کی ضرورت جیسے بنیادی اُمور پر عوام سے روابطے میں پہل کی اور انھیں یقین دلانے میں کامیاب ہوئی کہ وہ تبدیلی لانے کی صلاحیت رکھتی

ہے، یا ان موضوعات پر دیگر افراد نے زیادہ زور بیان کے ساتھ اپنی image بنائی، جب کہ تحریک اسلامی کے ایک پہلے سے قائم شدہ ذہنی خاکے کی بنا پر اسے ایک صالح افراد کی کم تعداد والی جماعت سمجھا جاتا رہا جس کو ووٹ دینے کے باوجود اس کے اکثریت میں آجانے کا امکان کم نظر آتا ہو۔

● **پیشے اور عمر کے لحاظ سے خطاب:** کیا تحریک اسلامی نے ملک میں موجود مختلف طبقات کی نشان دہی کے بعد اپنے دعوتی پیغام کو اپنے سامعین کی نفسیات و ضروریات کے لحاظ سے پیش کیا، یا ہماری دعوت محض اصولوں کی دعوت رہی جس میں اسلامی ریاست، مدینہ منورہ کے ماڈل کا قائم کرنا ہمارا بنیادی نعرہ رہا۔ کیا تاجروں، وکلا، اساتذہ، محنت کشوں، خواتین اور خصوصاً ملک کی ۶۷ فی صد نوجوانوں کی آبادی کو ان کی زبان میں پُر امید اور اعتماد کے لہجے کے ساتھ ان کے مسائل کے قابلِ عمل حل انھیں سمجھائے یا دستوری مسائل پر نظری بحث کو کافی سمجھا۔

● **تبدیلی کا نعرہ:** کیا حالات اور نظام کی تبدیلی کا نعرہ لگانے میں ہمارا پیغام اور لہجہ یہ بات سمجھانے میں کامیاب ہوسکا کہ ہم کس قسم کی تبدیلی لائیں گے اور اس تبدیلی سے نوجوانوں کو روزگار، تاجروں کو کاروبار بڑھانے کے لیے تحفظ، بجلی کی فراہمی وغیرہ جیسی ضروریات ایک مقررہ مدت میں فراہم کرسکیں گے۔

● **انتہا پسندی:** ملک میں رائج اس غلط فہمی کو کہ اسلامی جماعتیں دراصل انتہاپسند جماعتیں ہیں کس حد تک دلائل اور واقعات کی بنیاد پر رد کرتے ہوئے ایسے اُمور کو روشناس کرایا جو اعتدال پسندی کی علامت ہوں، یا نفاذ شریعت کے نام کے ساتھ بننے والے مغربی تصور کو جو صرف اسلامی تعزیرات کے نفاذ کو شریعت کا نام دیتا ہے، غیرارادی طور پر تقویت پہنچائی۔ گویا تحریک کی دعوت نے کس حد تک لوگوں میں یہ احساس بیدار کیا کہ وہ نہ قدامت پرست ہے نہ مغرب پرست، بلکہ حالات کے لحاظ سے اسلام کی اعتدال پر مبنی تعلیمات کو مناسب تدریج سے رائج کرنے کی صلاحیت اور عزم رکھتی ہے۔ ظاہر ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس بتدریج تبدیلی کا نقشہ وقت کی قید کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔

● **خدمتِ خلق:** دین کا نصف حصہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اور تحریکاتِ اسلامی نے مصر ہو یا ترکی، عوام کی خدمت کے پراجیکٹ کامیابی سے چلا کر ان کے دلوں کو جیتا ہے۔

ملک میں یتیموں اور بیواؤں کی امداد، آغوش جیسا پراجیکٹ، ان میں سے کسی بھی کام کو قوم کے سامنے تعریف وصول کرنے کے لیے نہیں بلکہ خاکساری کے ساتھ قوم کے لیے تحفہ بنا کر پیش کیا، یا کسی اور جماعت نے اس قسم کے محدود کام کو اپنی کارکردگی اور انتظامی اُمور کی صلاحیت رکھنے کی دلیل کے طور پر پیش کیا اور عوام نے اسے مان کر اس پر اعتماد کا اظہار بھی کیا؟

زکوٰۃ وصدقات کی وصول یابی اور تقسیم خود ایک ایسا عظیم کام ہے کہ جو بھی اسے صحیح طور پر کرے گا وہ عوام الناس میں مقبول ہوگا۔ اس کے ساتھ تعلیم، صحت، آفات سے متاثر افراد کی خدمت، غرض یہ سارے کام جب اللہ کی رضا کے لیے کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی کرم سے دعوت کو مقبولیت دیں گے۔ تحریک اسلامی کو آیندہ پانچ سالوں کے لیے ایک واضح منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے کہ پہلے سال میں خدمت کے کام کو کہاں تک پہنچایا جائے اور آیندہ پانچ برس میں اس کا دائرہ کہاں تک ہو۔

بعض سیاسی جماعتیں اقتدار میں آنے کے بعد حکومتی رقم کو اپنے آنجہانی لیڈروں کی فاتحہ سمجھتے ہوئے تقسیم کر کے ملک میں لاکھوں افراد کو اپنا ممنونِ احسان بنالیتی ہیں جو اخلاقی اور قانونی طور پر جرم اور گناہ ہے، جب کہ زکوٰۃ، صدقات وعطیات کی وصولی اور ان کی مناسب تقسیم ایک دینی فریضہ ہے اور تحریکاتِ اسلامی اس کی زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیں اور معاشرے کے نادار افراد کی جائز امداد اور ان کی سیاسی تعلیم کا بندوبست کریں۔ کیا اس سلسلے میں شعوری طور پر کوئی منصوبہ بنایا گیا اور اس پر احتساب کے ساتھ عمل کیا گیا؟ اس سلسلے میں لوگوں کی غلط فہمی کہ زکوٰۃ کی رقم کا سیاسی استعمال نہیں کیا جا رہا، کا دُور کرنا بھی ضروری ہے۔

● **تحریکی فکر سے وابستہ اسکولوں میں کام:** کیا تحریکی فکر رکھنے والے اسکولوں اور مدارس کے طلبہ اور ان کے والدین تک اپنی دعوت پہنچانے کے لیے والدین اور اسکول کے اساتذہ کی خدمات ایک منصوبے کے تحت حاصل کی گئیں اور کیا ان کا سروے کرنے کے بعد یہ جائزہ لیا گیا کہ انھیں مسلسل رابطے کے ذریعے کس طرح mobilize کیا جاسکتا ہے؟ ایک محدود اندازے کے مطابق اگر صرف تحریکی فکر سے وابستہ افراد کے اسکولوں کے طلبہ اور ان کے والدین پر صرف

تین ماہ کام کیا جائے تو ایک بڑی تعداد اپنی رائے تحریک کے حق میں دینے پر آمادہ ہو گی۔

● استخلاف کی شرائط: اللہ تعالیٰ نے زمین پر استخلاف بطور اپنے ایک انعام کے وعدہ فرمایا ہے لیکن اس وعدے کے ساتھ بعض شرائط بھی وابستہ ہیں۔ کیا تحریک کے کارکنوں میں وہ للّٰہیت اور اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت سے وابستگی پیدا ہو گی جس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا انعام فرماتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا مستحق بننے کے لیے تحریکی کارکنوں اور قیادت نے بے لوثی، اخلاص، قربانی، مقصد پر یقین اور اپنی ذاتی، کاروباری، معاشرتی زندگی میں وہ تبدیلی پیدا کی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، یا تحریک سے وابستگی کے باوجود اس کے کاروباری معاملات اور معاشرتی تعلقات، رواج، برادری اور مالی منفعت سے وابستہ رہے؟

● اسلامی کاروبار: مغربی سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو خود مغرب میں ناکامی کا سامنا ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ آیندہ پانچ سالوں کے لیے اسلامی معاشی اصولوں پر مبنی اسلامی کاروباری ادارے قائم کیے جائیں اور عوام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ کس طرح سود سے پاک کاروبار کیا جاسکتا ہے اور اگر ایسے افراد اقتدار میں آجائیں تو وہ کس طرح پورے ملک کی معیشت کو پاکیزہ معیشت بناسکتے ہیں۔

● فہم قرآن: پہلے تو اس جائزے کی ضرورت ہے کہ کیا ملک گیر پیمانے پر فہم قرآن کے حلقے گذشتہ کئی برسوں میں باقاعدگی سے کام کرتے رہے اور کیا ان کی فیڈ بیک (feed back) حاصل کی گئی یا نہیں۔ ان حلقوں میں جن افراد نے قرآن کا پیغام پہنچایا ان آبادیوں میں ان کا اثر بڑھا یا گھٹا ـــــ قرآن کا پیغام سمجھنے کے بعد سامعین میں کوئی تبدیلی ہوئی یا نہیں۔ اور اگر نہیں ہوئی تو ان کا سبب استاد کا طرزِ عمل تھا یا سامعین کے ذہن کو نہ سمجھنے اور ان کی سطح پر بات نہ کرنے کی وجہ سے وہ لوگ دعوت کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ ان اُمور کا جائزہ اور اس کی روشنی میں آیندہ پانچ برسوں کا منصوبہ تیار کر کے اس کا نفاذ کامیابی کی ایک اہم شرط ہے۔

**پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا:**

اس وقت مسلمانوں کو کفر کی طرف دو طرح کی یلغار کا سامنا ہے۔ فکری اور عسکری۔ ان دونوں حملوں کا سامنا کرنا اور مسلمانوں کو ان مہلک اثرات سے بچانے کی کوشش کرنا ایسا فرض ہے جس سے خوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے بغیر قبر و آخرت کی منزل سے سر کرنا بہت مشکل ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں ابلاغی وسائل (پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا) کے سرچشموں پر یہود و نصاریٰ یا ان کے گماشتے براجمان ہیں جو کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کی اکثریت کا رخ اپنی من چاہی ذہنیت کی طرف موڑے رکھنے پر قادر ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے اعلیٰ ترین سازشی دماغ جو منصوبہ تیار کرتے ہیں پوری دنیا اس کو زیر عمل لانے کے لیے ان کے یہ گماشتے چند ساعتوں سے زیادہ وقت نہیں لگنے دیتے اور یوں پوری دنیا باطل کے مکروہ عزائم کا شکار بنی ہوئی ان کے برپا کیے ہوئے طوفان بھی چلی جا رہی ہے۔

آج اصل جنگ بھورے یا سفید بالوں والے ناصحین اور مغرب زدہ افراد کے درمیان ہے۔ آج خود ان مسلمانوں کے گھروں میں جو اپنے آپ کو اسلامی تحریکوں سے وابستہ سمجھتے ہیں، میڈیا نے نوجوانوں کو براہ راست متاثر کر کے میدان میں آنے پر آمادہ کیا ہے۔

آئندہ کی حکمت عملی کے نکات میں سے ایک منصوبہ بندی اور ایک اہم ترجیح اسلامی تحریکوں کے لیے موثر ذرائع ابلاغ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا قیام ہے۔ اس کے لیے پروفیشنل افراد کا جمع کرنا ہے جو اس فن میں مہارت رکھتے ہوں اور ایسی ٹیم جوان کو نئے موضوعات پر کام پر ابھار سکے۔

ان چند امور کو سامنے رکھتے وقت اور تنقیدی جائزہ لیتے وقت یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کامیابی کا اصل معیار یکسوئی، خلوص، بے لوثی، قربانی اور استقامت کے ساتھ ساتھ دعوت کو بغیر کسی معذرت اور مداہنت کے پیش کرنا ہے۔ بہترین دعوت عملی دعوت ہے۔

یہ تمام پہلو تنقیدی نگاہ سے بار بار غور کرنے کے ہیں اور پھر آئندہ مستقبل کے لیے بتدریج ایک حکمت عملی کی تیاری بلا تاخیر کر لینے کی ضرورت ہے۔ منصوبہ بندی اور مستقبل کا لائحہ عمل اسلامی تحریکات کے لیے ایک دینی فریضے کی حیثیت رکھتا ہے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤں گے مسلمانو!
تمہاری داستان بھی نہ رہے گی داستانوں میں

☆☆☆